ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

AUGUST 1986

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

جلد ۱ شمارہ ۲

اگست ۱۹۸۶ء

مدیر منتظم :- نور محمد فلاحی

مدیر :- طارق فارقلیط فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

قیمت فی شمارہ ۲ روپے ۵۰ پیسے

سالانہ تعاون ۲۵ روپے

ترسیلِ زر کا پتہ

جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ ۲۷۶۱۲۱ (یو پی)

« اشاعت الفلاح پریس [illegible] »

نقوش حیات نو

اداریہ

نازک صورت حال	ایڈیٹر	۳

مقالات

انتشار ملت کے اسباب اور ان کا تدارک	مقبول احمد فلاحی	۹
شاہ ولی اللہ احیاء نظام اسلامی کے علمبردار (۲)	انجینئر ابرار احمد	۳۰
افغانستان کی داخلی سیاست کا پیچ و خم	رفیق انقلاب	۴۰

میزان عرفانیات

انسانیت کا عالمی منشور		۴۴

گوشۂ ادب

غالب کے کلام میں تمثیل کی بلندی	نور الحسن نقوی	۴۸

شعر و نغمہ

نوائے مسلم	عزیز گھروی	۳۸
غزل	جمیل احمد جمیل	۱۶
غزل	شاکر تسلیم	۱۹
غزل	ارشاد احمد محمودی	۴۹
غزل	نظمی سکندر آبادی	۴۷
غزل	اظہر شیر دہلوی	۴۶

تعارف و تبصرہ	ادارہ	۵۰
حلقۂ یاراں	محمد مہدی، س، ط، ابرار الحسن جاوید	۵۳
جامعہ کے لیل و نہار	آل م	۵۶

نازک صورتِ حال

"الٰہ آباد، مقامی پولیس اسٹیشن کے داروغہ نامہ نگاروں سے کہہ رہے تھے" بھلا بتایئے یہ وشیش ہمارا ہے اور مسلمان ہم پر ہی چڑھے جا رہے ہیں!" (دیوار ۹-۱۲ جولائی صفحہ ۵۳)

پی، اے، سی کے ایک پلاٹون کمانڈر یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ "بڑی خوبصورت مار ہوئی ہے گولی چلاتے تو زیادہ سے زیادہ پانچ چھ آدمی ہی مرتے پر اس بار دنگائی کو کھینچ کھینچ کر بڑی خوبصورت مار لگائی، جب جب پوچھے گا تب تب دنگائی نہیں گے" (دیوار ۹-۱۲ صفحہ ۵۳)

۲۴ جون ۱۹۸۶ء کو الٰہ آباد میں پتھر والی مسجد کے پاس زمین کو بنیاد بنا کر زبردست فساد ہوا جس میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۲ آدمی مارے گئے اور ۱۰ لاکھ ۵۶ ہزار روپیوں کی چیزیں برباد کی گئیں ایک ہزار ۹۴ افراد گرفتار کئے گئے جس میں ۹۵۴ صرف مسلمان تھے اس فساد میں پولیس اور پی اے سی نے مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کر دی اور اسی گروپ کے دو ذمہ دار افسروں کی گفتگو نقل کی گئی ہے۔

یوں تو آجکل پورا بھارت جل رہا ہے اور کہیں بھی کسی کی عزت و آبرو جان و مال محفوظ نہیں ہے لیکن مسلم اقلیت کے لئے دن بدن صورت حال اور نازک ہوتی جا رہی ہے۔ بھارت واحد ملک ہے جہاں اکثریت کو منظم اور فعال بنانے کے لئے سیکڑوں تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ یہ تنظیمیں اگر مثبت بنیادوں پر قائم ہوتیں اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے کام کرتیں تو کوئی اعتراض کی بات نہ تھی مگر عملاً یہ اینٹی مسلم ہو گئی ہیں اور مسلمانوں کی مخالفت، دشمنی، ان کی تباہی و بربادی ہی ان کا نقطۂ نظر اور بنیادی مقصد بن گیا ہے اور اب اس کا اثر ہر سطح پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مراد آباد، میرٹھ، حیدرآباد، احمد آباد، بارہ بنکی اور ہندوستان کے طول و عرض میں فسادات کا لامتناہی سلسلہ اسی ذہنیت کی کارستانی ہے۔ پولیس اور پی اے سی کی گولیوں سے صرف مسلمانوں ہی کا مرنا اور زخمی ہونا، مسلمانوں ہی کے گھروں کا لوٹا جانا، انھیں کی دوکانوں کا جلایا جانا کسی اور ذہنیت کی عکاسی

پولیس اور پی اے سی ہر فساد کے موقع پر جس طرح کا رول ادا کرتی ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیکولر حکومت کی کوئی فورس نہیں بلکہ آر ایس ایس کی ایک فورس ہے جو اینٹی مسلم فلسفے کی بنیاد پر منظم کی گئی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی اور حکومت کے ذمے داروں کے اندر ذرا بھی شرم و غیرت باقی ہوتی تو اب تک فورس تحلیل کر دی گئی ہوتی اور اس کی جگہ پر کوئی دوسری فساد مخالف فورس بنائی گئی ہوتی جو مثبت بنیادوں پر منظم کی گئی ہوتی۔ یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ جو حفاظت کے لیے بھیجا گیا ہو وہی گولی چلائے، لوٹ مچائے اور گھروں میں گھس کر عورتوں کی بے حرمتی کرے، اور ظلم و بربریت کی انتہا کرے۔ تف ہے ایسی پولس اور پی اے سی پر اور ایسے چیف منسٹر اور ایڈمنسٹریشن پر۔

ہندوستانی حکومت کے تین اجزائے ترکیبی ہیں۔ عدلیہ، انتظامیہ، اور مقننہ اور ان تینوں کا کردار مسلمانوں کے تئیں بالکل واضح ہے۔ شاہ بانو اور بابری مسجد کیس میں عدلیہ کا رول سامنے آگیا۔ قانون آراضی، جہیتی بل اور یکساں سول کوڈ کے سلسلے میں مقننہ کا رول ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اور ایڈمنسٹریشن کا رول تو بہت واضح ہے۔ معاشی میدان سے لے کر تعلیمی اداروں تک، نوکریوں سے لے کر زمین و جائداد، جان و مال، عزت و آبرو، فسادات ہر سطح پر تعصب کا سامنا ہے اور مستقبل میں حالات اور بھی سنگین ہوتے جائیں گے۔ ایسے نازک ترین حالات میں ہندوستان کی ۱۵ کروڑ امت مسلمہ کو بڑی سنجیدگی سے سوچنا چاہیے اور ان حالات و واقعات پر غور کرنا چاہیے۔ ہندوستان کے حالات اب ایسے نہیں رہے کہ ہم خواب خرگوش میں مبتلا رہیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ اکثریت کا ذہن بڑی تیزی کے ساتھ مسموم کیا جا رہا ہے اور کوئی بعید نہیں جو دوسرے ملکوں کی تاریخ دہرائی جائے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم عوام کیا کریں اور مسلم خواص اور لیڈر حضرات کیا کریں۔

۱۔ سب سے پہلا کام جو ہم تمام لوگوں کے کرنے کا ہے وہ یہ کہ ہم بڑی سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، اور جہاں جہاں داغ دھبے نظر آئیں ان کو مٹائیں اور صاف کرنے کی کوشش کریں۔ تخلقوا باخلاق اللہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے بہترین اوصاف اور کردار حمیدہ سے متصف ہوں، اور برادران وطن کو اپنے ناگزیر وجود کا احساس دلائیں۔ اپنے اندر کے نفاق کو دور کریں اور یکرنگی پیدا کریں۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔

۲۔ خدا کی ذات کو اپنا ملجا و ماویٰ بنائیں، اسی سے فریاد کریں، اسی سے مدد طلب کریں اور اسی

کی طرف رجوع کریں۔ رسول کی ذات اور قرآن و سنت کو اپنا رہنما، رہبر اور دستور زندگی اور قانون سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

۳۔ اپنے اپنے گروپ لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کو مجبور کریں کہ وہ اختلاف کا بیج بو کر اپنا گھر اور اپنی جائداد بنانے کے بجائے پوری ملت کی خدمت کریں اور کم سے کم اجتماعی لیڈرشپ کا احساس دلائیں جیسا کہ مسلم مجلس مشاورت، مسلم پرسنل لا بورڈ، دینی تعلیمی کونسل اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے اور اس احساس کو زندہ اور بیدار کریں۔

اکابرین ملت، مذہبی پیشوا اور سیاسی لیڈر چند روزہ مادی منفعت اور اقتدار پر قوم کو قربان نہ کریں اور خود بکنے اور قوم کو فروخت کرنے کی روش ترک کریں ورنہ ان کا انجام میر جعفر اور صادق سے مختلف نہ ہوگا۔

ہندی امت مسلمہ کو ہندوستان کے نازک ترین حالات سے نکلنے کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور غور و فکر کے بعد عزت و آبرو کے ساتھ جینے کی راہیں تلاش کریں۔

مسجدوں کی حفاظت، مسلم پرسنل لا کا تحفظ اور جان و مال کو تلاف سے بچانے کے لیے نئے خطوط کار تیار کیے جائیں اور اجتماعی جد و جہد کی جائے۔

ہندی امت مسلمہ کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لئے نیا نصاب تعلیم جو جدید و قدیم دونوں پر مشتمل ہو، ترتیب دیا جائے اور تمام مدارس میں جاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

معاشی سطح کو بلند کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی جائے اور جو بھی وسائل و ذرائع ہمارے پاس ہیں اور حکومت جس قدر بھی تعاون کرے، استعمال میں لایا جائے۔

سیاسی سطح پر ہم مختلف خانوں میں تقسیم ہونے اور در در جبہ سائی کرنے کی بجائے اپنا وزن محسوس کریں اور ایک سطح پر جمع ہوں۔ خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔

ذوالحج کا مہینہ جیسے جیسے قریب آتا جاتا ہے دو کردار نظروں کے سامنے روشن ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں کردار پہاڑ کی بلندیوں اور آسمان کی وسعتوں سے امت مسلمہ کو آواز دیتے ہیں، اے میری قوم کے لوگو! تم کہاں چلے گئے، کدھر بھٹک گئے، آؤ میرے پیچھے آؤ، میرے نقش قدم پر آؤ، آؤ اللہ کی راہ

ہیں اپنا سب کچھ قربان کریں، دولت ثروت، طاقت، قوت، جان ومال، خواہشات، تمنائیں اور زبان سے کہیں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ اے اللہ سب کچھ تیرے لئے ہے، میری نماز، میری عبادت میرا جینا اور میرا مرنا، اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں، میں نے اسی کا عہد کیا ہے اور میں مسلمان ہوں۔

آج سے ہزاروں سال پہلے حضرت اسماعیل کے ننھے اور نرم ونازک ہاتھوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے اینٹیں اٹھائی تھیں اور حضرت ابراہیم کے مضبوط ہاتھوں نے اسے ایک دوسرے سے جوڑا تھا۔ کتنا بابرکت تھا یہ کام اور کتنی سعید تھیں یہ روحیں، جب خدا کا گھر مکمل ہوگیا تو وارفتگی کے عالم میں اسکا چکر لگانے لگے جیسے پروانے شمع کے گرد طواف کرتے ہیں۔

"یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کیساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنیوالوں کے لئے پاک رکھو، اور لوگوں کو حج کے لئے اذن عام دیدو کہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لئے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں، خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں" (سورہ حج آیت ۲۷-۲۸) بڑے بابرکت ہیں وہ لوگ جو اس آواز پر لبیک کہتے ہیں اور در توحید پر حاضری دے کر اپنے ایمان میں اضافہ کرتے ہیں۔

ایک اور منظر جو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا وہ یہ کہ ایک ننھا منا، ۱۰ سال کا بچہ آگے آگے قربان ہونے کے لئے جارہا ہے اور اس کا بوڑھا باپ اپنے ہاتھ میں تیز چھری لئے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ ایک کے دل میں قربان ہونے کا جذبہ ہے اور دوسرے کے اندر قربان کرنے کا، دونوں صبر اور ثبات قدمی کی دعائیں مانگ رہے ہیں، اور پھر چشم فلک نے تاریخ کا وہ عظیم اور ناقابل فراموش منظر دیکھا جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ ایک بوڑھا باپ اپنے پیارے بیٹے کی گردن پر تیزی سے چھری رگڑ رہا تھا۔ پھر خدا کو پیار آیا، دونوں کو منتخب کرلیا اور اس واقعہ کو یادگار بنا دیا۔

ہم اس واقعے کی یاد میں بھیڑ، بکری، دنبہ، گائے، بیل، بھینس اور اونٹ کی گردن پر چھری رگڑتے ہیں، کاش ہم اپنی ناجائز خواہشات، حرص وہوس، دنیا طلبی، جاہ پرستی اور غلط زندگی پر

چھری پھیر دیتے اور زبان سے اعلان کردیتے، اے اللہ سب کچھ تیرے لئے ہے، شاید ہمارے اندر براہیمی نظر ایک بار اور پیدا ہو جاتی۔

سہ روزہ دعوت دہلی کے سابق ایڈیٹر مسلم صاحب کا ۲ر جولائی ۱۹۸۶ء بروز جمعرات ایک بجے دن میں دہلی میں انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی خبر ہے لیکن مسلم صاحب کی موت اردو صحافت کی تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ مسلم، جو صحافت کی دنیا کا سورج چاند تھا، جس پر صحافت ناز کرتی تھی۔ جس نے اردو صحافت کی انگلی پکڑی اور کوچہ عشق میں چلنا سکھایا، اور جس نے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ اس کی پرورش پرداخت اور دیکھ بھال پر صرف کردیا اور بالآخر اردو صحافت کو اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں وہ کہہ سکے ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔

مسلم صاحب، مسلم حنیف، مرد مجاہد، قلم کے غازی اور دور رس اور صاحب فکر انسان تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار تخلیقی اور تحریری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مسائل کی باریکیوں کو سمجھنے اس کی تہہ تک پہنچنے اور اسے ایک خوبصورت انداز میں صفحہ قرطاس پر بکھیر دینے کی بے پناہ صلاحیت ان کے اندر موجود تھی۔ وہ ایک جری، بیباک اور نڈر صحافی تھے، ان کا قلم ایسے مسائل پر اور روانی سے چلتا تھا جس پر لکھنے سے اور صحافی کترا جاتے تھے، اور جس پر لکھنے سے اقتدار وقت کی جبینوں پر شکن آجاتا تھا۔ انھوں نے قلم کو فروخت کرکے اسے دولت کمانے یا حصول اقتدار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ حق وانصاف کے حصول، مظلوم کی حمایت، ظالم کی مذمت اور اسلام کی خدمت کے لئے استعمال کیا۔ اور اس طرح اپنے لئے کانٹوں بھرا راستہ اختیار کیا اور تمام عمر اس پر چلتے رہے۔

مسلم صاحب ایک کشادہ ذہن کے مالک اور کثیر الاحباب انسان تھے ان کی تحریروں نے ہزاروں لوگوں کے دلوں پر اثر ڈالا، سیکڑوں لوگوں کے دلوں میں محبت، الفت اور پیار کے دیپ جلائے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے میں کامیاب ہوگئے۔ مسلم مجلس مشاورت، مسلم پرسنل لا بورڈ میں جہاں دوسروں کی کوششوں کا دخل ہے وہیں ان کے قلم کا ایک اہم کردار ہے۔ مسلم صاحب جماعت اسلامی کے ایک فعال رکن تھے ان کو جماعت کے اندر بہت اہم مقام حاصل تھا، وہ مرکزی شوریٰ کے رکن اور قیمتی انسان تھے، وہ جماعت کے دل ودماغ اور دہرا دل

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

مقبول احمد فلاحی

انتشارِ ملّت کے اسباب اور انکا تدارک

ملت اسلامیہ کا ہر سچا خیر خواہ تمام مسلمانوں کو متحد اور متفق دیکھنا چاہتا ہے۔ مختلف سطحوں سے اس کے لئے کوششیں بھی کی جا رہی ہیں۔ یہ احساس اب عام ہو چلا ہے کہ بغیر مشترکہ جدوجہد کے ہندوستان میں مسلمان نہ تو اپنے مادی اور معنوی وجود کو باقی رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی زندگی کے میدانوں میں ترقی اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اس احساس نے تقریباً نوے فیصد افراد کو وحدت پسند اور افتراق سے دل برداشتہ کر دیا ہے۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ اتنی بڑی اکثریت صرف چند ابن الوقتوں اور مفاد پرستوں کے دام فریب میں پھنس کر خود اپنے ارمانوں کا خون کرتی دکھائی دیتی ہے۔ عوام الناس پر اس محدود طبقہ کا عمل دخل بلا وجہ نہیں ہے اس صورت حال کا پیدا کرنے اور عوام کا اندھا اعتماد حاصل کر لینے میں اس طبقہ نے بڑی زیرکی سے دین کے نام پر کچھ تصورات پہلے ہی دے رکھے ہیں۔ سردست ان عوامل پر بحث پیش نہیں ہے۔ نیچے اختصار کے ساتھ ملت کے اندر انتشار کے اسباب اور ان اسباب کے سدباب کرکے اتفاق و اتحاد کے جذبات کو پروان چڑھانے کی تدابیر سے متعلق چند امور پر گفتگو کی جائے گی۔

(۱) فرض منصبی سے غفلت | فرض منصبی سے غفلت اور لاپرواہی مسلمانوں کے اندر انتشار کی پہلی اور حقیقی وجہ ہے شہادت حق، اقامت دین، احقاق حق اور ابطال باطل اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری ہے۔ جب تک مسلمانوں کا اجتماعی انفرادی رخ اس فریضے کی ادائیگی کی طرف برقرار رہا ہے نہ تو فرصت تھی اور نہ ہی ذہن اس طرف گیا کہ داخل کے جزوی اور فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر محاذ آرائی شروع کر دی جائے اور جذبہ جہاد کا رُخ داخلی انتشار کی طرف موڑ دیا جائے اور معاندین اسلام کی سرکوبی اور اشاعت اسلام کی جدوجہد کے بجائے ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کے ذریعہ اس جذبہ کو تسکین دی جائے لیکن

جوں جوں شہادت حق کا فریضہ اوجھل ہوتا گیا اسی مناسبت سے ملت کے اندر خانہ جنگی شروع ہوگئی اور اب مزاج اس قدر بگڑ گیا ہے کہ کفار و مشرکین اور اعدائے اسلام کی تیغیں تو دینی سروں پر لٹک رہی ہیں بلکہ ان کی کاری ضربوں سے آہیں نکل رہی ہیں مگر ان آہوں میں معاصر و دیگر مسالک اور تنظیموں کے لئے زہر آلود جملے ہی سنائی دیتے ہیں۔

دراصل یہ سب کچھ عین انسانی فطرت کے مطابق ہو رہا ہے۔ جب کسی فرد یا قوم کے پیش نظر شدید ترین قباحت اور عظیم تر دشمن موجود ہوتا ہے اور وہ لوگ پورے شعور کے ساتھ اس قباحت کو محسوس بھی کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت کمتر درجے کی قباحت قابل انگیز ہوتی ہے۔ ایک گھر کے مختلف افراد کے درمیان بسا اوقات شدید اختلافات ہو جاتے ہیں اور یہ اختلافات نفرت اور عداوت کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ لیکن جب کوئی ایسا دشمن سامنے آجاتا ہے جو بحیثیت مجموعی پورے خاندان کے لئے خطرہ ثابت ہو رہا ہو تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اہل خاندان کی باہمی آویزشیں پس پشت چلی جاتی ہیں اور سب لوگ سر جوڑ کر مشترکہ دشمن سے نمٹنے اور اس سے حفاظت کے لئے حکمت عملی تیار کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ ہندوستان کی جنگ آزادی، افغانستان کی تحریک مزاحمت، ایرانیوں کی جاں سپاری اس حقیقت کی بین مثالیں ہیں۔ دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان کشاکش کے باوجود جب خلائی سیارہ سکائی لیب بے قابو ہو گیا تھا اور اس کے کسی خطہ زمین پر گر کر تباہی مچا دینے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اس وقت یہ کیفیت قابل دید تھی۔

تاریخ اسلام کے صفحات اس حقیقت کی روشن دلیل ہیں۔ جب تک احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبہ دور کے مسلمانوں میں موجود رہا اور اس کے تحت حق کو سربلند کرنے اور باطل کو سرنگوں کرنے میں مصروف رہے، دبائی شکل میں داخلی انتشار کو سر اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ مگر جوں جوں خارج سے لاپرواہی بڑھتی گئی داخل کے محاذ گرم ہوتے گئے۔

اس وقت جو انتشار ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ ملت یا تو ان طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے واقف نہیں ہے یا بعض لوگ سارے حقائق سے باخبر ہونے کے باوجود عوام کو اندھیرے ہی میں رکھنے میں اپنے مفادات کی خیر سمجھتے ہیں یا باطل پرستوں سے ان کی

سازش کا نتیجہ ہے۔ اگر پورے زور کے ساتھ عوامی سطح پر یہ حقیقت واضح کر دی جائے کہ عالمی پیمانے پر کچھ طاقتیں ایسی ہیں جو برابر اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے منصوبے بناتی رہتی ہیں۔ مختلف قومیں اور حکومتیں باہم ظاہری اختلافات کے باوجود اسلام کے لئے سب ایک زبان ہیں اگر اندرون ملک جارحیت پسند گروہوں اور حکومت ہند کی جانب سے ان مذموم سازشوں کو عوام کے سامنے بے نقاب کر دیا جائے۔ جو خفیہ اور علانیہ امت مسلمہ کو دینی، مادی تہذیبی اور روایتی اقدار سے محروم کرنے کے لئے اختیار کی جا رہی ہے تو بلا جھجک یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جوں جوں عوام کو اس حقیقت کا ادراک ہوتا چلا جائے گا اسی تناسب سے اختلافات ختم ہوں گے، قربت بڑھے گی، رواداری کے جذبات پروان چڑھیں گے۔ اور یہ ایسا عظیم فائدہ ہوگا جو کسی خارجی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس صورت حال کو صحیح رخ دینے کے لئے پھر لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا درس دینا پڑے گا، ان کو غلبہ حق کا نشہ پلانا پڑے گا، باطل کی سرکوبی ان کے رگ و پے میں سرایت کرنی ہوگی۔ انشاء اللہ اس طریقے سے جو اتحاد پیدا ہوگا اس میں پائیداری ہوگی۔ دراصل فریضہ اقامت دین کی ادائیگی اور اتحاد و یگانگت لازم و ملزوم ہیں۔ حقیقی داعی دین کو انتشار پسندی نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ حق و باطل کا صحیح تصور اجاگر کیا جائے ورنہ حق و باطل کا محدود تصور پھر وہی بلا کھڑا کرے گا۔

۲۔ دین کا محدود تصور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اسلام جو نبی آخر الزمان کے ذریعہ اپنی مکمل صورت میں دنیا میں پیش کیا گیا، وہی قیامت تک کے لئے مفید، جامع اور ضروری ہے اور ہر بدلتے ہوئے حالات میں رہنمائی کے لائق ہے۔

مگر ساتھ ہی اس تاریخی واقعہ سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مدت تک تو ملت میں جذبہ اجتہاد موجود رہا اور اسلامی اصول و احکام کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبہ جات میں پیدا ہونے والے مختلف حالات پر اسلام کی تطبیق ہوتی رہی لیکن خلافت جب ملوکیت میں بدل گئی اور فرمانرواؤں کو اپنی ذات پر اسلام کی بالادستی ناگوار گزرنے لگی تو اس وقت ایک سخت کشمکش کے بعد علماء دین پسند طبقے نے اپنی عافیت گوشہ گیری

اور نظام حکومت سے کنارہ کشی میں سمجھی۔ رفتہ رفتہ دینی علماء دو حصوں میں منقسم ہو گیا ایک طبقہ ان علماء، محدثین، فقہاء اور صوفیا کا تھا جنھوں نے ارباب اقتدار سے عدم تعرض کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر اپنا دائرہ کار تعلیم گاہوں، خانقاہوں اور درس و تدریس کے مراکز تک محدود کر لیا۔ دوسری طرف بعض درباری علماء تھے جو ارباب اقتدار کی مرضی کے مطابق اسلام کو ڈھال کر انعامات و اکرامات وصول کرتے رہے۔ جن کا شیوہ مدح سرائی کے علاوہ اور کچھ رہ ہی نہیں گیا تھا۔ رفتہ رفتہ ایوان سیاست سے دین کا رشتہ برائے نام ہی رہ گیا اور عوام ان درباری علماء کے بالمقابل اول الذکر علماء حق کو ہی دین کا نمائندہ سمجھنے لگے اور ان کی مجبوریوں سے بے خبر رہنے کے نتیجے میں پورا دین ان علماء کے اسی ایک رخ کو تصور کرنے لگے۔

حتی کہ آج کے اس دور میں عام مسلمانوں کے سامنے دین کا حقیقی اور بنیادی تصور بالکل ہی گنجلک ہو کر رہ گیا ہے۔ بلکہ اس محدود تصور کے نتیجے میں اچھے خاصے لوگوں کی طرف سے ایسی ایسی باتیں سامنے آنے لگیں ہیں جو فی الواقع دین مصطفوی سے یکسر متعارض اور دین کی توہین تک پہنچ جاتی ہے۔

ملت اسلامیہ کے ذہنی اور فکری انتشار اور اس کی وجہ سے مختلف مکاتیب فکر کے پیدا ہونے میں اس تصور دین کی محدودیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسلام کے وسیع تر اور کامل ذخیرے سے جس کے جو ہاتھ لگا اور جس کے مبلغ دین نے جہاں تک اجازت دی بس اسی کو کل اسلام سمجھنے لگا، اور دیگر پہلوؤں اور اجزاء کی تعبیر و تشریح کرنے والوں کو اپنے مخصوص سانچے میں ڈھلتا ہوا نہ پا کر خارج از اسلام اور بددین باور کرانے میں مصروف ہو گئے۔ بالکل ہاتھی اور چار اندھوں والے قصے کی مانند اپنے اپنے مبلغ علم کی حد تک بات سب کی صحیح تھی، لیکن فی الواقع سب غلط کہہ رہے تھے۔ اور جب یہ اندھے اپنی کوتاہی علم پر ماتم کرنے کے بجائے پورے ہاتھی یا اس کے دوسرے حصے کا تصور دلانے والے کو ہی اندھا کہنے لگیں تو ایسی صورت میں ایک سمجھدار شخص سوائے اس کے کہ سر پکڑ کر بیٹھ جائے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو صورت حال اس مثال سے

پوری طرح ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ جس کسی کے ہاتھ کوئی کتاب لگ گئی بس اسی کو عین اسلام سمجھنے اور سمجھانے لگا۔ اور اگر وہ کتاب کسی ایسے مولوی صاحب کی ہو جس سے وہ عقیدت رکھتا ہے تو پھر اس کے مقابلے میں قرآن و حدیث کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اگر کہیں کوئی بات کسی فرد کے اندر اس کے مزاج سے متصادم یا اس کے تصور سے مغائر نظر آئی بس کیا کہنا اس کے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ صادر ہونے لگا۔ حالانکہ اگر پورے ذخیرۂ اسلام کا مطالعہ کیا جاتا اور اس کی باریکیوں پر غور و فکر کیا جائے۔ تو جزوی، فروعی اور فقہی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف جو شدت اور نفرت پائی جاتی ہے وہ نہیں نظر آتی بلکہ اس کی جگہ رواداری پائی جاتی اور اس سے غور و فکر اور بحث و تحقیق کا میدان پروان چڑھتا۔

معلوم یہ ہوا کہ اگر ملت کے اندر علم کو فروغ دیا جائے اور لوگ براہ راست قرآن و سنت سے ربط پیدا کرنے لگیں اور اس کی تعلیمات عام ہوں تو انشاء اللہ موجودہ اختلافات میں نمایاں کمی محسوس ہوگی، اور یہ اتحاد ملت کے لئے نہایت مضبوط اور پائدار بنیاد بنے گی۔

۳۔ اکتساب علم میں حقیقی ترتیب سے انحراف | انتشار امت کی تیسری بڑی وجہ حصول علم میں وہ بے ترتیبی ہے جو آجکل رائج ہو گئی ہے۔ امت کے اصحاب علم اور اکابر اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام فہمی میں بنیادی اور مرکزی حیثیت اللہ کی کتاب قرآن کریم کو حاصل ہے۔ اس کے بعد قرآن کے رموز و اسرار کو سمجھنے اور اس کی عملی تفہیم و تشریح سے واقف ہونے کے لئے احادیث رسول ہیں کہ رسول مقبول صاحب کتاب کی طرف سے مامور مستند شارح اور شریعت کے خط و خال کو واضح کرنے والے ہیں۔ اور یہ احادیث رسول جسے بہت زیادہ بحث و تحقیق، جرح و تعدیل کے بعد محدثین نے صحاح ستہ اور دیگر کتب کی صورت میں مدون شکل میں پیش کر دیا ہے۔ دوسری بنیادی اور اہم ترین مراجع ہیں۔

پھر قرآن و سنت کو اصل حیثیت سے تسلیم کرتے ہوئے تیسرا اہم مرجع فقہ ہے جسے فقہاء امت اور علماء کرام نے اپنی زندگیاں نچوڑ کر حالات کے مطابق قرآن و سنت کا انطباق کیا ہے۔ اور فقہ میں بھی چار مسالک کو اصل کی حیثیت حاصل ہے۔ مگر فقہ بذات خود منبع

اسلام نہیں بلکہ اس کی اطاعت کی بنیاد بھی قرآن و سنت ہی ہے۔ اور ان سب سے آخر میں ہر دور کے علماء اور مفکرین کے علمی اور فکری کارنامے ہیں۔ اور ہر دور میں یہ علماء منارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر خواص کے ساتھ مسلم عوام بھی حصول علم کے وقت ان چاروں مراجع کو اس کی فطری ترتیب کے ساتھ ملحوظ رکھیں اور ہر ایک ماخذ کو اس کی حقیقی اہمیت دی جانے لگے تو یقیناً ملت کے اختلافات بہت حد تک کم ہو جائیں، یعنی اولین اہمیت مطالعہ قرآن کو دی جائے اس کے بعد احادیث رسول کو اور پھر ان دونوں کی روشنی میں فقہاء کے استنباط اور علماء کی تصانیف کو۔

مگر موجودہ صورت حال بالکل اس کے برعکس ہے۔ بعض لوگوں نے سارے مراجع سے بے نیاز ہو کر اپنے مخصوص مذہب کے علماء پر کلی اعتماد کر لیا ہے۔ شخصیت پرستی میں ایسا غلو اور ایسی شدت ہے کہ نہایت فخر کے ساتھ بیان کرتے پھرتے ہیں کہ فلاں مولانا صاحب، فلاں مفتی اور محدث صاحب جنھوں نے پوری زندگی درس و تدریس تعلیم و تعلم اور کتابوں کے درمیان گزاری ہے کیا وہ جو کچھ فرمائیں گے یا لکھیں گے وہ غلط ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ عام لوگ قرآن و سنت کے تراجم سے غلط معنی اخذ کر سکتے ہیں لہذا انھیں برائے ثواب تو تلاوت کر لینی چاہئے مگر اسکے مفہوم اور مطالب پر ہرگز نظر نہیں ڈالنی چاہئے۔ چنانچہ اس گروہ کا سارا انحصار اپنے علماء پر ہو جاتا ہے اور علماء میں باہم دگر معاصرت یا استخراج احکام یا خصوصی ذہنی میلان کی بنا پر اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جب یہ اختلافات عوام میں پہنچتے ہیں تو بہت زیادہ شدید ہو کر سامنے آتے ہیں اور انہی اختلافات کی بنیاد پر پھر گروہ وجود میں آجاتے ہیں۔

اگر کچھ لوگ علماء عصر سے آگے بڑھے تو فقہائے متقدمین پر جا کر رک گئے۔ ان کا استدلال بھی اول الذکر گروہ ہی کے مثل رہا، کہ جب قرآن و سنت پر اکابرین ملت نے غور و فکر بحث و تمحیص کے بعد فقہ مرتب کر دیا ہے تو اب اصل مراجع سے استفادہ بعد کے لوگوں کے لئے درست نہیں ہے چنانچہ فقہی اختلافات کی بنیاد پر الگ الگ مسالک اور گروہ بندیاں ہو گئیں، ان کا نقطہ نظر بھی قرآن و احادیث کے بارے میں حقیقت پسندانہ اور درست نہیں ہے۔ بعد میں ان فقہی اور مسلکی گروہ بندیوں نے قرآن و سنت سے لاتعلق ہونے کی بنا پر شدت اختیار کر لی حتیٰ کہ غیر شعوری طور پر مسلکی بالادستی ثابت کرنے کے لئے ایک دوسرے کی تنقیص تک کے

مرتکب ہونے لگے اور اس کی انتہا قرآن و سنت کی توہین پر جا کر رکی۔

بعض لوگ ان سب سے بالاتر ہو کر قرآن و سنت کی طرف پلٹنا تو چاہتے ہیں مگر وہ ایسے اسباب ذہنوں میں ابھر آتے ہیں کہ خاطر خواہ استفادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ بعض لوگوں کو یہ بات نقطۂ اعتدال سے ہٹ کر اثر کر جاتی ہے کہ احادیث دراصل قرآن کریم کی مکمل اور جامع تشریح ہیں۔ اور جب احادیث کی شکل میں قرآن کی معتبر اور نہایت مستند تفسیر آگئی ہے، تو پھر قرآن فہمی پر قوت صرف کرنا سعی لاحاصل ہے۔ قرآن و احادیث میں تعارض کی صورت میں اصل احادیث کو قرار دیا جانا چاہئے۔ گرچہ زبان سے یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا تاہم عملی رویوں اور مختلف زاویوں سے تعارض دور کرنے کی کوششوں سے اس کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عام افراد جو قرآن و سنت سے استفادہ نہیں کر سکتے وہ ثقہ اکابر علم و فن پر اعتماد کرنے کے بجائے ایک دوسرے شخص پر جو بہرحال متقدمین کے مانند نہیں، اعتماد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اکتساب علم اسلام میں صرف قرآن ہی کو کافی سمجھتے ہیں ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ صرف قرآن ہی ہدایت الٰہی ہے۔ احکام الٰہی کے عرفان کے لئے کوئی دوسرا ماخذ نہیں، کیونکہ وہ ماخذ جن میں غلطیوں کا امکان ہو سرے سے معتبر ہی نہیں ہو سکتے چنانچہ احادیث نقد قرآن و سنت کی روشنی میں تمام تر تواتر کو یک لخت مسترد کر دیتے ہیں۔ اور اہل قرآن نامی گروہ بن کر خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔

۴۔ **اسلام کی غیر معتدل تعبیر و تشریح** چوتھی وجہ اوپر مذکور دوسری وجہ سے بہت کچھ ہم آہنگ ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق نسبت اور منفی نوعیت کا ہے وہاں صورت حال یہ تھی کہ چونکہ دوسرے پہلوؤں کا علم نہیں ہوتا، اسلئے اختلاف کر بیٹھتے ہیں اور یہاں یہ صورت پیش آتی ہے کہ مثبت انداز سے سوچتے وقت توازن برقرار نہ رہنے کی صورت میں کسی ایک رخ پر زیادہ زور ہو جاتا ہے اور پھر اس ابھرے ہوئے رخ کے مطابق پورے دین کی تعبیر و تشریح کر ڈالی جاتی ہے ـــــ مثلاً اسلام ایک نہایت متوازن اور مکمل نظام حیات ہے، جس میں عقائد و عبادات، اخلاق و سیرت، تمدن و معاشرت، سیاست و معیشت، عدالت و معاملات، صلح و جنگ اور

بین الانسانی اور بین الاقوامی روابط و تعلقات ہر طرح کے احکامات و قوانین ہیں۔ اور ان سب سے مل کر ایک قابل صد رشک اور معتدل اسلام عالم وجود میں آتا ہے۔

مگر ذرا سی فکری کمزوری، ذاتی رجحان یا ذوقی میلان کی وجہ سے اس خوبصورت گلدستے کے کسی ایک رخ پر نگاہ مرکوز ہو جاتی ہے، اور پھر اسی ایک رخ پر آدمی اتنا فدا ہو جاتا ہے کہ اسی کے گرد پورے نظام اسلام کی تعبیر کر ڈالتا ہے، اور اسی کو مرکز مان کر پورے دین کو اس کے گرد گھما دیتا ہے۔ اسی طرح مختلف زاویوں سے مختلف تصورات کی بنا پر مختلف تنظیمیں اور جماعتیں بن جاتی ہیں اور پھر انتشار فکری کی لہر چل پڑتی ہے۔

انتشار کے اس سبب کے سبب پر وہ عوام کا کوئی زیادہ قصور نظر نہیں آتا ہے، کیونکہ ان کی استخراجی اور فکری صلاحیت اتنی بالغ نہیں ہوتی کہ ہر طرف فکر کے علماء کے استدلال کا واقفانہ مطالعہ کر سکیں اور اصل حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں تاہم خدائی وعدے پر ایمان رکھتے ہوئے اپنی حد تک ہر فرد ملت کو چھان پھٹک، غور و فکر، تنقید و تحقیق سے کام لے کر اپنے لئے راہ عمل منتخب کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ اور یقین رکھنا چاہئے کہ کوئی تعصب، تنگ نظری، فتور عقل یا دوسری کوئی خارجی رکاوٹ نہ ہو تو انشاء اللہ صحیح انتخاب تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

اس مسئلہ میں اصل ذمہ داری اصحاب فکر و نظر، زعماء و قائدین کی ہے، وہ وقتاً فوقتاً اسلامی سیمینار اور سمپوزیم وغیرہ منعقد کرکے اپنے اپنے نقاط نظر کو پیش کر سکتے ہیں اور دلائل کے ساتھ اپنے اپنے موقف کی وکالت کر سکتے ہیں۔ اور اگر کبھی کبھی اسی طرح کے کل اجتماعات اور مختلف تنظیموں کے مشترکہ اجلاس ہوتے رہیں تو بہت حد تک غلط فہمیاں دور ہوں گی، فکر و نظر میں وسعت پیدا ہوگی۔ اپنے اپنے موقف پر برقرار رہتے ہوئے دوسروں کے لئے جگہ نکل سکے گی اور یہ چیزیں اتحاد ملت کی جانب پیش قدمی قرار پا سکتی ہیں۔

دوسرا کام جو علماء قائدین اور تنظیموں کے ذمہ داروں کو کرنا چاہئے وہ یہ کہ اپنے متوسلین کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ وہ سوائے ان گروہوں کے جو واضح طور پر اہل سنت والجماعت

سے خارج ہوں، کم و بیش افراد تقریباً کی تشکار سا، تنظیموں سے واقف ہونے کی کوشش کریں ان کے لٹریچر کا مطالعہ کریں، ایک دوسرے کے اجتماعات میں شریک ہوں۔ عموماً جو دوسری تنظیموں سے علیحدہ رہنے اور تقریر و تحریر سے نفرت کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے وہ نقصان دہ اور متعلقہ افراد کی فکری پختگی کے لئے ضرر رساں ہے۔ ایسے افراد جن کے بہک جانے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ اپنی تنظیم کے لئے بھی غیر مفید اور نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔

اگر اس طرح کی وسعت نظری سے کام لیا جائے تو انشاءاللہ موجودہ انتشار میں بھی واضح طور پر کمی آئے گی اور اس طرح کی کھلی فضا میں صحیح اور متوازن منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی کھل سکتا ہے۔

۵۔ شر پسند عناصر کی منصوبہ بند سازش

انتشار ملت کی ایک اور وجہ وہ نام نہاد مذہبی رہنما ہیں جو شریعت کی زبان میں علماء سوء کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ لوگ سارے حقائق سمجھتے ہوئے بھی صرف اس خوف سے کہ اگر ملت کے اندر اختلافات کی گرم بازاری ختم ہو گئی تو ان کے دنیوی مفادات پر ضرب پڑے گی اور جو جھوٹی قدر و منزلت اختلاف کی صورت میں انہیں حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گی، اس لئے "اختلافات کو ہوا دو اور اپنی سیادت قائم رکھو" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ یہی حال بعض سیاسی بازیگروں کا بھی ہوتا ہے جنہیں فی نفسہ ملت سے کسی نوعیت کی کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ ان کے پیش نظر صرف ان کے عارضی اور دنیوی مفادات ہوتے ہیں اگر یہ مفاد ملت کے انتشار اور سخت ترین تخریب کاری سے حاصل ہو تو اسے بھی کر گزرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، بلکہ وہ اسے اپنی کامیاب ترین پالیسی قرار دیتے ہیں۔ عام افراد کا دن رات ایسے عناصر سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے۔ یہ بیچارے ان کی موثر چالوں میں آ کر خود اپنے آشیاں کو اجاڑ دیا کرتے ہیں۔ بسا اوقات اپنی سادہ لوحی پر پچھتاتے بھی ہیں۔ لیکن ان بازیگروں کی فریب کاری کا جال اتنا دبیز ہوتا ہے کہ بار بار چوٹ کھانے کے باوجود اس سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ کیفیت اسی وقت تک ہے جب تک عوامی شعور بیدار نہیں ہوتا جوں جوں فکر و نظر میں وسعت آتی جائے گی یہ ساری بازیگری اپنی موت آپ مر جائیں گے، لیکن وہ تو جب ہو گا تب ہو گا، سر دست ایسے تمام مسلمان جو اتفاق و اتحاد کے خواہشمند ہیں ان کو یہ تہیہ کر لینا چاہئے کہ کوئی لیڈر، کوئی مولوی یا واعظ اگر ان کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جو انتشار و افتراق کو ہوا دینے والی ہو تو اس سے اپنی ناپسندیدگی اور برأت کا اظہار کریں۔ اور واضح الفاظ میں ان کو آگاہ کر دیں کہ اب تک جو ہوا سو ہوا، اب ہم کوئی ایسی بات نہیں سننا چاہتے جس سے ملت کے اندر انتشار برپا ہو۔ عوام کو ان سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ اپنی نفرت کے تیروں کو اہل خانہ پر استعمال کرنے کے بجائے ان دشمنوں پر چلائیں جو تمام لوگوں کے مشترکہ دشمن ہیں۔

اس طور پر اگر عوام سوچیں اور بھرپور انداز سے اپنے ردعمل کا اظہار کریں تو عنقریب ان منافقین اور انتشار پسند طاقتوں سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ سادہ لوح مبلغین

شریعت اسلامی کے نوے ۹۰ فیصد اصولی اور بنیادی احکامات ایسے ہیں جن پر پوری ملت کا اتفاق ہے۔ فروعی اور جزوی نوعیت کے صرف دس فیصد مسائل ایسے ہیں جنہیں مختلف مسالک کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ دراصل مسلمان ہونے اور نہ ہونے کا انحصار انہی نوے فیصد امور و مسائل پر ہی ہے۔ ایسی صورت میں ضرورت اس بات کی ہے کہ شریعت میں جس چیز کی جتنی اہمیت ہے اس پر اسی قدر زور صرف کیا جائے اور جو جس قدر کم اہم ہو اس کو اسی قدر کم اہمیت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ احکامات کی دعوت و تبلیغ میں اس بنیادی نقطے کا لحاظ کرنے سے بہت کچھ انتشار میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔

مگر ہمارے سادہ لوح مبلغین سے بہت بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ وہ اپنی تقریروں، تحریروں اور وعظوں وغیرہ میں ۹۰ فیصد اصولی اور واجب الاطاعت امور سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف انہی دس فیصد امور و مسائل کو موضوع بحث بناتے ہیں جنہیں اختلافات ہیں پھر مختلف گروہوں کی جانب سے جواب الجواب کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مزید گرمی اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس کے اثرات براہ راست عوام کے قلب و دماغ پر پڑتے ہیں۔ یہ بیچارے مبلغین اس کو جہاد عظیم اور حق گوئی کی علامت سمجھتے رہتے ہیں۔ بالآخر اسی ترغیب و کشمکش کے نتیجے میں ملت میں اختلافات کی خلیجیں وسیع تر ہوتی جاتی ہیں۔

پے اس طرزِ عمل پر ہمارے مبلغین کو غور کرنا چاہئے اور اصلاح کر کے متوازن اور صحیح طریقہ تبلیغ اختیار کرنا چاہئے ورنہ جس مصروفیت کو وہ جہادِ عظیم سمجھ رہے ہیں وہی کل کو ان کے خلاف خطرناک نتائج کی حامل قرار پاکر غضبِ خداوندی کی باعث بن سکتی ہیں۔

مثال کے طور پر نماز جس کی اہمیت تمام لوگوں کے نزدیک مسلم ہے اس کی دعوت تو کم دی جاتی ہے البتہ نیت کہاں باندھی جاتی ہے تو نماز ہوتی ہے۔ چینی کی گھڑی جائز ہے یا ناجائز، ٹوپی نہ ہونے کی صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے مباحث پر پوری قوت صرف کر دی جاتی ہے۔

۷۔ دینی مدارس میں مروجہ نصابِ تعلیم | بات ذرا تلخ ہے مگر امرِ واقعہ ہے، اختلافِ امت کی ایک اہم وجہ وہ نصابِ تعلیم ہے جو درسِ نظامی کے نام سے آجکل دینی درسگاہوں میں رائج ہے۔ جو لوگ اس نصابِ تعلیم کے بارے میں واقفیت رکھتے ہیں انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ نصاب مسلمانوں کے دورِ حکومت میں سرکار کے کارندے اور ملازم تیار کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا چونکہ اقتدار مسلمانوں کا تھا اور بیشتر اسلامی قوانین رائج تھے اس لئے اس نصاب میں بھی اسلامیات کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ یہ نصاب اس دور کے لئے نہایت موزوں اور مناسب حال تھا مگر اب جبکہ حالات میں زمین آسمان کا فرق آگیا ہے لوگوں کا اس نصاب سے چمٹے رہنا کسی صورت میں مناسب نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ مذہبی امور سے متعلق بہت ساری خرابیاں اس نصاب سے پوری ہوتی نظر آرہی ہیں اس لئے آسانی سے اس پر غور و فکر پذیرفتی نہیں ہو سکتے۔

اس فرسودہ نظامِ تعلیم کے ذریعہ جو لوگ تیار کئے گئے وہ موجودہ حالات میں عملی زندگی میں بے کار اور ناموزوں قرار پائیں گے۔ ان بے چاروں کے سامنے میدانِ عمل جب مسدود نظر آتا ہے تو یا تو مسجدوں کی امامت اور موذنی کو پیشہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں، یا اسی طرح کے مدارس میں تدریسی فرائض انجام دینے لگتے ہیں یا پھر عوام کو اپنی ضرورت کا احساس دلانے کے لئے ایسے نزاعی اور اختلافی مسائل کھڑے کرتے ہیں جن سے ان کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہو اور پھر ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ شاید اسی احساسِ کمتری نے ان کی نفسیات کو بگاڑ کر اختلافات کو ہوا دینے سے دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(بقیہ صفحہ ۹۴ پر)

غزل

جمیل احمد جمیل
سنگین مسجد روڈ، ہاسن، کرناٹک

جان جاں کے مجھے روبرو کیجئے
آخری وقت ہے قبلہ رو کیجئے
دل کی پوری میری آرزو کیجئے
آج کھل کر ذرا گفتگو کیجئے
شمع کی طرح خاموش جل جائیے
اور گلوں کی طرح رنگ و بو کیجئے
زندگی زہر کا جام ہے دوستو
زہر ہنس ہنس کے پینے کی خو کیجئے
وہ سحر جس سے لرزاں تھے شام و سحر
اس سحر کی ذرا جستجو کیجئے
اور کے چاک داماں پہ کیوں ہے نظر
پیرہن اپنا پہلے رفو کیجئے
کاوشِ شعر گوئی خدا کی پناہ
پانی پانی جگر کا لہو کیجئے
اپنی تصویر خود دیکھ لیگا جمیل
آئینہ شیخ کے روبرو کیجئے

غزل

شاکر تسلیم

طاعتِ واجب مولا خیر
سب پہ واجب مولا خیر
چھا گئی روزِ روشن پہ
شیخ کا ذنب مولا خیر
اہلِ مدینہ پہ تھا یہ
فرض نہ واجب مولا خیر
لگ گئے شاید آپ کے بھی
دام مناسب مولا خیر
عشق کی طرحداری سے
آپ بھی تائب مولا خیر
ان نورانی لوگوں میں
سارے غائب مولا خیر
سارے کماداروں کے لئے
میری جانب مولا خیر
شیخ حرم بھی اے شاکر
شہ کے مصاحب مولا خیر

رفیق افغان

افغانستان کی داخلی سیاست کے نئے پیچ و خم

گزشتہ چند ہفتوں کے دوران افغانستان کی موجودہ کٹھ پتلی انتظامیہ کے مرکزی ڈھانچے میں رونما ہونے والی بعض اہم تبدیلیاں جنھیں اخبارات کے صفحات کی زینت بنی رہیں اور شائع ہونے والی خبروں میں خصوصیت سے کابل انتظامیہ کے صدر ببرک کارمل کی مبینہ سبکدوشی کے بارے میں حاشیہ آرائی خاصے عروج پر رہی۔

درحقیقت ماہ مارچ کے ابتدائی ہفتے میں ببرک کارمل، بغرض طبی معائنہ کروانے عازم ماسکو گئے ہوئے تھے۔ ان کے تقریباً ایک ماہ سے زیادہ عرصہ وہاں قیام پذیر رہنے کے سبب دارالحکومت کابل میں مختلف نوعیت کی افواہیں اڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ جن میں ان کی علالت، موت، سبکدوشی، جلاوطنی اور قید بھی کچھ شامل تھا۔ ۲۷ اپریل کو انقلاب ثور کی ساتویں سالگرہ پر رسمی تقریبات سے ان کی غیر حاضری اور ان کی جگہ وزیر اعظم سلطان علی کشتمند کی موجودگی نے ان افواہوں پر کسی حد تک مہر تصدیق بھی ثبت کر دی۔

مزید براں ۳۰ اپریل سے منعقد ہونے والے حکمراں پارٹی (پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی افغانستان PDPA) کی مرکزی کمیٹی کے اہم ترین اجلاس سے جس میں روسی سفیر متعینہ کابل نے دو عدد بکتر بند گاڑیوں کی حفاظت میں شرکت کی، ببرک کارمل کی غیر موجودگی خاصی معنی خیز تھی۔

واضح رہے کہ یہ اجلاس ۳ روز تک قصر صدارت میں جاری رہا اور اس کے اختتامی اجلاس میں پارٹی کے سکریٹری جنرل (جو کمیونسٹ نظام حکومت میں طاقتور ترین حیثیت کا حامل ہوتا ہے) ببرک کارمل کو "خرابی صحت" کی بنا پر سبکدوش کرنے اور ان کی جگہ افغانستان کی خفیہ پولیس (خدمات اطلاعات دولتی خاد) کے سابق سربراہ ۳۹ سالہ ڈاکٹر نجیب اللہ کو معتمد عام بنانے کا اعلان کیا گیا۔

ببرک کارمل نے یکم مئی کو کابل ایئرپورٹ پر قدم رنجہ فرمایا۔ ان کی آمد سے ایئرپورٹ عوامی پروازوں کے لئے دو گھنٹے قبل بند کر دیا گیا تھا اور روسی افواج کے ۲۰ سے ۲۵ مسلح ٹینکوں نے قصر صدارت کے اطراف میں اہم مقامات پر پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔

کابل شہر کے تمام اہم مقامات سے افغان عسکریوں کو غیر مسلح کر کے بیرکوں میں بھجوا دیا گیا اور ان کی جگہ روسی فوجی تعینات کئے گئے تھے۔ پورے شہر پر سخت تناؤ اور بے چینی کی کیفیت طاری تھی۔ ان غیر معمولی حالات کے نتیجے میں کابل حکومت کا سرکاری اخبار حقیقت انقلاب ثور کئی روز تک شائع نہیں ہو پایا۔

ببرک کارمل کی اس عہدے سے مبینہ سبکدوشی کے خلاف کابل یونیورسٹی اور شہر میں لڑکیوں کے ایک اسکول میں چند مظاہرین پر مشتمل افراد نے جلوس نکالا اور بعض مقامات پر پارٹی کے عہدیداروں نے اپنے ردِ عمل کا بھی اظہار کیا۔ اہم ذرائع کے مطابق ان مظاہروں کے پس منظر میں کارمل کابینہ کی ایک سابق خاتون وزیر انا ہیتا راتب زادہ کا ہاتھ بیان کیا جاتا ہے۔ جو ببرک کارمل کی چند قریبی ساتھیوں میں سے ایک سمجھی جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ ببرک کارمل افغانستان کی حکمراں کمیونسٹ پارٹی کے پرچم دھڑے سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ نجیب اللہ کا تعلق بھی اسی دھڑے سے ہے، پارٹی کا دوسرا دھڑا جو خلق کے نام سے موسوم ہے، پرچم دھڑے میں پیدا ہونے والے اختلافات کو مزید ہوا دینے اور کارمل و نجیب کی باہمی آویزش سے پوری طرح فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا نظر آتا ہے۔

چنانچہ نجیب اللہ کی تقرری کی سب سے پہلے اور اعلانیہ حمایت وزیر داخلہ گلاب زئی کی جانب سے ہوئی ہے جنھوں نے نجیب اللہ کی آمد کو نیک شگون کے مترادف قرار دیا ہے۔ گلاب زئی کا تعلق خلق دھڑے سے ہے۔

دوسری طرف کابل شہر میں جابجا لگے ہوئے ببرک کارمل کے "اقوال زریں" اور بڑی بڑی تصاویر سے "استفادہ" کا حق افغان عوام سے چھینتے ہوئے بڑی تیزی سے انھیں ہٹایا جا رہا ہے۔

کارمل کی سبکدوشی کی جو وجوہات ابتک سامنے آئی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ پرچم اور خلق دھڑوں کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے میں ناکامی۔
۲۔ سیاسی اور اقتصادی پالیسیوں کی ناکامی۔
۳۔ مجاہدین کے خلاف مربوط و موثر حکمت عملی تشکیل دینے میں ناکامی۔
۴۔ سرحدی قبائل کو قابو میں رکھنے کی ناکام کوششوں کی ناکامی۔
۵۔ جنیوا مذاکرات کے تناظر میں چہرہ کی تبدیلی کی اہمیت اور اس کا اثر۔
۶۔ کارمل کا بطور روسی جارحیت کی زندہ علامت ہونے کی حیثیت کے خلاف بین الاقوامی رائے عامہ کے رد عمل میں شدت پیدا کرنے کی کوشش۔
۷۔ مستقبل کے بارے میں روسی عزائم کے اظہار کا سگنل۔
۸۔ افغانستان کے پشتون علاقوں میں گزشتہ ایک برس کے دوران مجاہدین کے خلاف کی جانے والی وسیع پیمانے پر کارروائیوں میں ناکامی اور ان علاقوں میں مجاہدین کے ہمہ گیر اثرات کو حذف کرنے کے لئے پشتون قومیت کے حامل فرد کو آگے لانے کی اہمیت کا احساس۔
۹۔ مستقبل کے اندیشوں کے پیش نظر کابل انتظامیہ کا جوان اور بے رحم ہاتھوں میں ہونے کی ضرورت۔
۱۰۔ مستقبل میں کسی سیاسی سودے بازی کے لئے نجیب اللہ کی شخصیت اور حکومت کا بطور ٹرمپ کارڈ استعمال۔
۱۱۔ مجاہدین کو مجموعی طور پر پورے افغانستان میں سختی سے کچلنے کی پالیسی میں مزید شدت اختیار کرنے کا احساس۔

گویا مسلسل استعمال کے نتیجے میں ببرک کارمل کی شخصیت اور حیثیت اس کے آقاؤں کے نزدیک لایعنی ہو گئی تھی لہٰذا اسے استعمال شدہ کاغذ کی مانند الگ پھینک دیا گیا۔

واضح رہے کہ یہ وہی ببرک کارمل تھا جس نے سال گزشتہ ہی مغربی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بڑ ہانکی تھی کہ "ہم چاہیں تو اپنی ائیر پاور کی بدولت افغانستان کے تمام پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ مجاہدین کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔" وہی ببرک کارمل اب اپنے متقدمین ترہ کئی اور حفیظ اللہ امین کے انجام کی راہ پر تیزی سے گامزن ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ڈاکٹر نجیب اللہ نے جو ولایت پکتیا کے صوبائی دارالخلافہ گردیز کے قریب قبیلہ احمد زئی سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی تعلیم افغانستان کے مدرسوں میں ہی حاصل کی۔ اسکول میں تعلیم کے دوران ہی ۳ ماہ کے لئے روس کے دورہ پر گئے تھے جہاں ان کے باقاعدہ روابط کی ابتدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کابل یونیورسٹی کی میڈیکل فیکلٹی میں داخلہ لیا جہاں طب کی تعلیم کا نصاب ۷ برس میں مکمل کیا جاتا تھا۔ "ذہین و فطین" نجیب اللہ نے یہ نصاب ۱۱ برس میں مکمل کیا اور ۱۹۷۵ء میں بحیثیت ڈاکٹر سند حاصل کی۔ اور پھر دوبارہ ماسکو یاترا کرنے گئے۔ افغانستان میں کمیونزم کے نفاذ کی جدوجہد کرنے والی خفیہ سیاسی جماعت کے ۱۹۶۴ء ہی میں باقاعدہ ممبر بن گئے تھے اور سرگرمی سے اس کے تنظیمی کاموں میں مشغول رہے۔ زمانہ طالب علمی میں ایک وقت ایسا بھی تھا جب تحریک اسلامی سے وابستہ کابل یونیورسٹی کے سرفروش نوجوانوں کے سیل رواں کی قیادت گلبدین حکمت یار کر رہے تھے جو ان دنوں انجینئرنگ فیکلٹی کے طالب علم تھے اور دوسری طرف کمیونسٹ طلباء کے گروہ سرخیل نجیب اللہ تھے جو اس وقت طب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

ڈاکٹری کی سند حاصل کر لینے کے بعد انھیں ولایت بامیان میں بحیثیت میڈیکل آفیسر تقرر نامہ دیا گیا جو انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کابل شہر میں ہی کمیونسٹوں کی تنظیم اور اثر و نفوذ کے کاموں میں مشغول رہے۔

ترہ کئی کے نام نہاد "انقلاب ثور" کے بعد انھیں ایران میں سفیر مقرر کیا جہاں خاصی بڑی سرکاری رقم اپنے ذاتی تصرف میں لے آئے چنانچہ افغانستان میں اپنی متوقع گرفتاری کے خدشے کے پیش نظر بجائے وطن آنے کے چیکوسلواکیہ پہنچ گئے اور وہاں سے اپنے نظریاتی آقاؤں کے حجروں میں جا پہنچے۔

۲۷ دسمبر کو روسی فوجوں کی افغانستان میں جارحیت کے بعد اپنے رفیق ببرک کارمل کی معیت میں دوبارہ افغانستان میں داخل ہوئے اور افغانستان کی خفیہ پولیس کے محکمے جو پہلے "اکساہ" کہلاتا تھا، کی تنظیم نو اور اسے خدمت اطلاعات دولتی (خاد) میں تبدیل کرکے پہلے سربراہ مقرر ہوئے۔

جنوری ۱۹۸۶ء تک یہ فریضہ "بحسن و خوبی" انجام دیتے رہے۔ اور پھر وزارت داخلہ

کے منیجر مقرر ہوئے۔ دو ماہ بعد ہی انہیں PDPA کا سیکریٹری جنرل نامزد کر دیا گیا۔

نجیب اللہ کی شخصیت کے خود PDPA کے اندر متنازعہ ہونے کا اندازہ ان کی تقرری کے فوراً بعد کابل شہر کے بعض مقامات پر کارمل کے حق میں ہونے والے مظاہروں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جن میں کارمل کی برطرفی اور نجیب کے تقرر کے خلاف نعرے لگائے گئے۔

روسیوں کے نزدیک نجیب، کارمل کی بہ نسبت موزوں تر فرد ثابت ہوگا، جو کارمل کے مقابلے میں جو تاجک قومیت سے تعلق رکھتا ہے، پشتون قومیت کا حامل ہونے کی وجہ سے (پشتون افغانستان میں ۵۰ فیصد ہیں) ان علاقوں پر خاطر خواہ اثر انداز ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جو افغانستان کی جنوبی سرحدوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور مجاہدین کے ہمہ گیر اثرات رکھنے کے سبب روسیوں کے لئے درد سر بنے ہوئے ہیں، ویسے روسی اس انداز کا ایک اور تجربہ گزشتہ سال ۱۹۸۵ء میں اگست ستمبر کے مہینوں میں پاکتیا پر ہونے والے بڑے حملے میں کر چکے ہیں۔ جس کی قیادت افغان آرمی کے چیف آف اسٹاف، جنرل شاہنواز نے کی اور ایک اور جنرل خاکہ زازی نے کی تھی۔

شاہنواز کا تعلق خوست کے جنوب میں واقع علاقہ اور تیمبزئی سے تھا، جبکہ جنرل خاکہ زازی منطقہ سے تعلق رکھتا تھا، یہ علاقہ خوست شہر کے شمال میں واقع ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس جنگ میں نہ صرف یہ کہ روسی کارمل افواج کو بدترین شکست ہوئی تھی، بلکہ خاکہ زازی مارا گیا تھا اور شاہنواز ٹنی کے بارے میں ہلاکت کی خبر ریڈیو خوست نے از خود نشر کی تھی۔

اب نجیب اللہ کا پشتون ہونا، غالباً اس کی ایک اہم "کوالیفیکیشن" ثابت ہوئی ہے۔ مجاہدین کے اہم اور نمایاں ترین رہنما گلبدین حکمت یار کا تعلق بھی پشتون قبیلہ خروٹی سے ہے جو افغانستان کے چند جنگجو ترین قبیلوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے۔

لیکن دلچسپ صورتحال یہ ہے کہ اگر ان کی پیدائش روسی سرحد سے ۷۵ کلومیٹر دور ولایت قندوز کی ولسوالی امام صاحب میں ہوئی ہے، جو خالصتاً فارسی قومیت کے حامل قبیلوں کا علاقہ ہے، ان کی ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی اور آبائی گھر بھی وہیں واقع ہے، گویا انجینیر گلبدین قومیت کے اعتبار سے پشتون اور پیدائش و رہائش کے اعتبار سے فارسی داں دونوں طبقوں کی بخوبی نمائندگی کر سکتے ہیں۔

ان کے علاوہ جمعیت اسلامی افغانستان کے محترم رہنما پروفیسر برہان الدین ربانی کا تعلق ولایت بدخشان سے ہے جو شمالی سرحدوں پر روس اور چین کے ساتھ متصل ہے اور وہ قومیت کے اعتبار سے فارسی بولنے والے قبیلوں سے نسبتاً زیادہ قریبی تعلق کے حامل ہو سکتے ہیں۔

گویا مجاہدین کی سب سے بڑی دو تنظیموں کے رہنما نہ صرف یہ کہ پورے افغانستان کے نسلی، لسانی، جغرافیائی، سیاسی اور معاشرتی طبقوں کی نمائندگی کرتے ہیں بلکہ عملی طور پر اسے ایک وحدت میں پرو دینے میں خاصی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔

نجیب اللہ کا افغانستان کے قومی افق پر سیاسی پس منظر تقریباً صفر ہے اور اس کی شخصیت کا تاثر، مقامی لوگوں کے ذہنوں میں، خاصے منفی اثرات مرتب کر چکا ہے۔

نجیب اللہ کی خاد کی سربراہی کے پورے دور میں بے گناہ افغان باشندوں پر کئے جانے والے مظالم اور تشدد نے عالمگیر شہرت حاصل کر لی ہے اور عینی شاہدین کے مطابق تشدد پسند فطرت کا مالک ہونے کے سبب وہ ذاتی طور پر ان کارروائیوں اور مظالم میں حصہ لیتا تھا جو مظلوم قیدیوں پر خاد کے جلاد ڈھاتے تھے، چنانچہ اس پس منظر کے ساتھ اس کا افغانستان میں زیادہ عرصہ چلنا خاصا مشکل نظر آتا ہے۔

دوسری طرف اس بات کا امکان بڑھ گیا ہے کہ اب پاکستانی سرحدوں پر اشتعال انگیز کارروائیوں اور اندرون ملک دہشت گردی کے واقعات میں مزید اضافہ ہو جائے اور پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ جنگی کارروائیوں کا گراف بھی تیزی سے بڑھنے لگے۔

کیونکہ درحقیقت نجیب اللہ افغانستان کی کمیونسٹ تنظیم میں، اس مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتا ہے جس کے نزدیک ہر مسئلہ کا حل طاقت اور جبر کی قوت سے نکالا جا سکتا ہے، اور اس معاملے میں کسی قسم کی لچک یا رواداری کا مظاہرہ کرنا قطعاً بے سود ہے چنانچہ علاقائی سیاست کی بساط پر اسے بطور پیادہ بڑھانا درحقیقت مستقبل میں روسیوں کے ارادے اور عزائم کی غمازی کرتا ہے

۱۸ مئی کو روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق اپنے خلاف اندرون ملک بڑھتی ہوئی نفرت کو کم کرنے اور خود کو قابل قبول بنانے کے لئے نجیب اللہ نے افغانستان کے حکومتی معاملات کی رہنمائی اور نگرانی کے لئے ایک دو رکنی کمیٹی بنانے کا اعلان کیا ہے جس کے رکن سربراہ مملکت ببرک کارمل اور وزیر اعظم سلطان علی کشتمند ہوں گے۔ یہ کمیٹی افغانستان کے تمام حکومتی کاروبار کی نگرانی کرے گی۔

اس کے ساتھ ساتھ نجیب اللہ نے کچھ مقامات پر تقاریر میں ببرک کارمل کے ماضی کے بعض اقدامات کی تعریف اور ثنا خوانی بھی کی ہے۔ مختلف تقریبات میں تینوں "رہنما" بھی ساتھ نظر آنے لگے ہیں۔

گویا تعلقات کی بحالی کا عمل رواں دواں رکھنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے، اور بیرونی دنیا پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ افغان کمیونسٹ قیادت باہم متفق ہوگئی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ دارالحکومت کابل میں اہم مقامات پر آویزاں ببرک کارمل کی تصاویر اور ان کے ارشادات عالیہ پر مبنی پوسٹرز اور بورڈز کو اتارے جانے کا عمل تعلق کی بحالی کے عمل سے کہیں زیادہ تیزی سے جاری ہے۔

سرحدی قبائل کے بارے میں ببرک کی پالیسی کو ناقابل عمل قرار دے کر اس کے برعکس اقدامات پر عمل کیا جارہا ہے۔ افغان پولٹ بیورو کے ایک رہنما نور احمد نور نے اندرونی چپقلش کا بھانڈا اپریل کے درمیانی عشرے مزار شریف میں ہونے والی پارٹی میٹنگ میں پھوڑ دیا۔ اس نے اپنی تقریر کے دوران اس بات کا شکوہ کیا کہ کابل کا ہر قدم روسی مشاورین کی مرضی سے اٹھایا گیا ہے اور اس نے اپنی مرضی سے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا چنانچہ اب اس کی ذات کو ماضی کی غلطیوں کے حوالے سے مطعون کرنا دوسرے لوگوں کو پارٹی سے بدظن کرنے کے مترادف ہے۔

گویا بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے اور خود پرچم دھڑے کا اندرونی خلفشار پوری طرح نمایاں ہوکر سامنے آگیا ہے۔ آج ایسے حالات میں جبکہ روسی اور کابل انتظامیہ کے خلاف ملک گیر جدوجہد میں شریک افغانستان کے تقریباً ہر گھرانے کا سوال یہ ہے کہ گذشتہ شہدا قبیلہ ما نیست ہو گیا ہے۔ کابل کی کٹھ پتلی حکومت اپنا ناجائز وجود کب تک برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتی ہے؟ اس کا جواب وقت کی دیوار پر نوشتہ ہے اور شاید اب وہ وقت زیادہ دور نہیں رہا۔

غزل

نظمی سکندر آبادی

ہم حق ہیں ابھی ملنے ملانے کے نہیں ہیں
بستی میں ابھی لوگ ٹھکانے کے نہیں ہیں

معلوم نہیں سب کی حقیقت ہے مگر کچھ
حالات ہی آئینہ دکھانے کے نہیں ہیں

فانوس تو بن جائیں گے یہ ہاتھ ہوا میں
جلتی ہوئی شمعوں کو بجھانے کے نہیں ہیں

احسان سے مر سکتے ہیں دشمن تو ہمارے
ہم لوگ مگر اگلے زمانے کے نہیں ہیں

ہر لمحہ بڑے ہونے کا احساس ہے ان کو
یہ لوگ کسی اونچے گھرانے کے نہیں ہیں

نظمی نظر انداز کرو گے جو حقائق
اشعار کسی دل میں سمانے کے نہیں ہیں

غزل

اظہر نیر دربھنگوی

بو ترا غم لئے بیٹھا ہے گلستاں کے قریب
وحشت دل آگے کھینچے ہے بیاباں کے قریب

کوئی منظر بھی سجھائی نہیں دیتا مجھ کو
کس کے جلوے ہیں میرے دیدۂ حیراں کے قریب

کارنامہ کوئی انجام نہیں دے سکتا
تھک کے رہ جاتا ہے جو کوشش امکاں کے قریب

آنے والا ہے جو یگ اس کے کھلاؤ گلشن
بیتے لمحوں کو کرو دفن بیاباں کے قریب

وہ جو سوئے تھے خموشی کی گپھاؤں میں کبھی
جاگ اٹھے ہیں صداؤں کے شبستاں کے قریب

پتہ: بی عالم سنٹر سیکٹر ۵ مارکیٹ
پھلواری نگر ۸۰۰۰۰۶ ۲۹
بہار

عزیز گھروی

ترانۂ مسلم

ہم دینِ محمدؐ کے وفادار سپاہی
اللہ کے انصار و مددگار سپاہی
اسلام کی عظمت کے نگہدار سپاہی
باطل کی خدائی کو گوارا نہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

خوشنودیٔ رب مقصدِ ہستی ہے ہمارا
قرآن ہی دستورِ اساسی ہے ہمارا
قائد بھی محمدؐ سا مثالی ہے ہمارا
اب ہم کسی رہبر کی تمنا نہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

پیغامِ سکوں راحتِ جاں لے کے اٹھے ہیں
اک سوزِ یقیں عزمِ جواں لے کے اٹھے ہیں
ہم جذبۂ تعمیرِ جہاں لے کے اٹھے ہیں
سنگینیٔ حالات کی پروا نہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

اقرار ہمارا ہے زمانہ کی نظر میں
انکار ہمارا ہے زمانہ کی نظر میں
کردار ہمارا ہے زمانہ کی نظر میں
ہم اپنی ہی تصویر کو رسوا نہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

انصاف سے پھر آدمی منہ موڑ چکا ہے
سچائی سے پیمانِ وفا توڑ چکا ہے
دامانِ یقیں صبر و رضا چھوڑ چکا ہے

ہم زندہ رہ کر رسمِ کلیسا نہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

ذہنوں سے ہر اک نقشِ کدورت کو مٹا کر
تفریق کے بھڑکے ہوئے شعلوں کو بجھا کر
دم لیں گے ہم انسان کو انساں سے ملا کر
آباد پھر اُجڑا ہوا کاشانہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

اک موسمِ گل رنگِ بہاراں ہے نظر میں
اک نورِ سحر جلوۂ تاباں ہے نظر میں
تاریخ کا اک عہدِ درخشاں ہے نظر میں
ہم سنگِ درِ وقت پہ سجدہ نہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

صدیقؓ کا دل زورِ علیؓ بخش دے یارب
فیاضیٔ عثمانِ غنیؓ بخش دے یارب
فاروقؓ کی عالی نگہی بخش دے یارب
آراستہ پھر محفلِ جانانہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

دشمن سے ترے ہم کوئی پیماں نہ کریں گے
جینے کے لئے موت کا ساماں نہ کریں گے
رسوائیٔ ملت پہ ترا احساں نہ کریں گے
ایسا نہ کریں گے کبھی ایسا نہ کریں گے
مرجائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

حفیظ میرٹھی

بس یہی دوڑ ہے اس دور کے انسانوں کی
تیری دیوار سے اونچی مری دیوار بنے

غیرت چھین کے اپنوں نے مجھے قتل کیا
آپ ہی ڈھال بنے آپ ہی تلوار بنے

ہو گئے لوگ اپاہج یہی کہتے کہتے
ابھی چلتے ہیں ذرا راہ تو ہموار بنے

اظہار اثر عمری

شاہ ولی اللہؒ احیاء نظام اسلامی کے علمبردار

(۲)

شاہ ولی اللہ کی ولادت اور آپکے والد شاہ عبدالرحیم | اس ظلمت کدۂ ہند میں تذکرہ نگاروں کے قول کے مطابق ۱۷۰۳ء یا ۱۱۱۴ھ کو آسمان ہند پر ایک ستارہ چمکا جو آگے چل کر دنیائے اسلام کا ایک عظیم ترین فکری لیڈر شاہ ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔

شاہ ولی اللہ کی ولادت کے چار سال بعد سلطنت مغلیہ کا "تاجدار اورنگ زیب" کا انتقال ہوا اور اس کے ساتھ ہی اسلامیان ہند کا زوال شروع ہوا۔ جس کا خمیازہ مسلمان اب تک بھگت رہے ہیں۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے بہت چھوٹی عمر میں بہت سے علوم و فنون کی تحصیل کر لی تھی چنانچہ سات برس کی عمر ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اس کے بعد عربی فارسی کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھنا شروع کیں غرض پندرہ برس کی عمر ہی میں تفسیر بیضاوی اور ہندوستان میں رائج الوقت علوم سے فراغت حاصل کر لی۔

آپ کے والد شاہ عبدالرحیم، جس وقت شاہ صاحب کی ولادت ہوئی، اپنی عمر کی ساٹھ بہاریں دیکھ چکے تھے مگر انھوں نے اس موسم خزاں میں ایسی بہار دیکھی جو یقیناً ان کی ساری بہاریں اس مبارک وقت کے مقابلہ میں ہیچ تھیں۔ شاہ عبدالرحیم اپنے دور کے ایک جید متقی اور خدا ترس عالم تھے، ابتداء ہی سے ان کی طبیعت دین کی طرف مائل اور دنیا کی دولت و حرص سے اچاٹ تھی۔ خود شاہ ولی اللہ نے اپنے والد کے حالات ایک کتاب "انفاس العارفین" میں بیان کیا ہے، مولانا علی میاں صاحب ندوی زید مجدہ کے الفاظ میں "ایک باکمال فرزند کے قلم سے باکمال پدر بزرگوار کے حالات میں مورخانہ اور خوش سوادانہ طریقہ پر مستقل کتاب لکھنے کی اسلام کی علمی تاریخ میں زیادہ مثالیں نہیں ملتیں۔" (۱۷)

شاہ عبدالرحیم کے علمی ذوق کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے "فتاوی عالمگیری"

کی ترتیب کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی تھی اس کے ایک ممبر شاہ عبدالرحیم بھی تھے۔ شاہ عبدالرحیم کی سب سے بڑی خوبی ان کی اسلامی حمیت اور شجاعت تھی اور یہ کہ وہ اپنے اندر جہاد کا جذبہ رکھتے تھے اور یہ تمام چیزیں آپ کو وراثت میں ملی تھیں اور خود شاہ ولی اللہؒ کے اندر بھی یہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

"اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے (شاہ عبدالرحیم کے) خاندان میں نسلاً بعد نسل جہاد و عزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا، غیرت و شجاعت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی اگرچہ شخصی اور جسمانی طور پر کسی معرکہ جہاد میں شرکت کا ذکر نہیں ملتا مگر "انفاس العارفین" میں درج واقعات سے ان کی اعلیٰ ہمت، عمل بالعزیمت اور دینی غیرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہی دولت ہے جو ان کی اولاد میں منتقل ہوئی۔" (۱۸)

شاہ عبدالرحیم کا ان کمالات سے اتصاف شاہ ولی اللہ کی تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، غرض شاہ عبدالرحیم اپنے بلند اقبال فرزند کی تربیت میں انتہا درجہ کی احتیاط برتتے تھے ان کی تربیت کا انداز بڑا حکیمانہ ہوا کرتا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے علوم ظاہرہ اور باطنہ کا اکتساب زیادہ تر اپنے والد ہی سے کیا۔ شاہ صاحب اپنے والد کی حکیمانہ تربیت سے بہت زیادہ متاثر ہوا کرتے تھے، مولانا علی میاں ندوی صاحب نے شاہ ولی اللہ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ "والد صاحب مجھے حکمت عملی، آداب مجلس، اور تہذیب و دانشمندی کی باتیں سکھاتے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا (۱۹)

شاہ عبدالرحیم نے اپنے طالع آزما فرزند کی پیشانی پر یہ دیکھ لیا تھا کہ مستقبل میں یہ نہایت عظیم کارنامہ انجام دینے والا ہے اور اسی بلند خیالی کی بنیاد پر اپنے ہونہار فرزند کی تربیت میں دن رات ایک کیا اور اس طرح تربیت کی کہ گویا یہ کسی بڑی مہم کو سر کرنے کے لئے اپنے فرزند کو تیار کر رہے ہیں اور شاہ عبدالرحیم نے محسوس کیا تھا یا یہ کہئے انھیں اس بات کا الہام ہوا تھا کہ ان کے اس طالع آزما فرزند پر دعوت اسلامی اور تجدید و احیائے اسلام کا بوجھ رکھا جائے گا، اور وہ اسے سکی

کی قیادت کرے گا، مسلمانوں کے شعور و احساس کو جگائے گا اور اپنے تلامذہ کو تربیت دے کر انھیں ایک ایسے انقلاب کے لئے تیار کرے گا جو فکری اور اسلامی ہوگا، اور وہ ہندوستان کے اندر نظام اسلامی کے نفاذ کی فکر اور کوشش کرے گا۔ شاہ عبدالرحیم کا یہ احساس صد فیصد صحیح تھا، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شاہ صاحب نے وہ کارنامہ انجام دیا کہ ان کے والد کے حاشیۂ خیال میں بھی اس کا تصور نہ ہوا ہوگا۔

اب ہم اختصار کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ کے دور کے سیاسی اور مسلمانوں کے دینی و ملی حالات کا جائزہ لیں گے۔

شاہ ولی اللہؒ کے دور کی سیاسی حالات

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ "اورنگ زیب" اپنی تخت نشینی کے آخری دنوں میں مختلف شورشوں اور بغاوتوں کے چکر میں گھر گیا تھا، ہر طرف سے سلطنت ڈانواں ڈول ہو رہی تھی، خود اس کے بھائیوں نے اس کے خلاف شورش برپا کر دی تھی، اس کے علاوہ جستہ جستہ مغربی یلغار بھی شروع ہو چکی تھی اور آہستہ آہستہ مغربی اثرات اہل ہند پر پڑنے شروع ہو چکے تھے، اس کا نتیجہ انگریزوں کے حملہ کی صورت میں ظاہر ہونے لگا شاہ ولی اللہ کی وفات کے تھوڑے ہی مدت بعد انگریزوں نے ہند پر حملہ کیا اور سراج الدولہ کو بری طرح شکست دے کر ہندوستان کے شمالی مشرقی حصہ پر قبضہ کر لیا اس طرح اسلامیانِ ہند کی رہی سہی نام کی اسلامی حکومت و سلطنت کا خاتمہ ہو چلا، تقریباً شاہ ولی اللہؒ کا پورا زمانہ اسی طرح کی طوائف الملوکی کی نذر ہو گیا، اورنگ زیب کے بعد شاہ صاحب کی وفات تک مسلسل گیارہ مغل بادشاہوں نے تریسٹھ برس ہند پر حکومت کی، مگر ان حکمرانوں کا رخ بجائے اسلام اور احیائے اسلام کے ملک گیری اور کشور کشائی کی طرف تھا، اگر صحیح معنوں میں حکمرانی کا بھی جذبہ ہوتا تو آج ہم اتنا کہہ سکتے تھے کہ ہندوستان میں ایک اور طویل مدت تک مسلمانوں کی حکومت رہتی۔ تاریخ نے بہت جلد بتا دیا کہ ان بادشاہوں کے پاس سوائے عیش پرستی، تعیش پسندی اور کاہلی اور نا اہلی کے حکمرانی کے صفات مفقود تھیں۔

مسلمانوں کی دینی و ملی حالات

یہ وہ دور تھا جس میں شاہ ولی اللہ نے اپنی تحریک اصلاح و تجدید کا آغاز کیا، اس وقت مذہبی لحاظ سے مسلمان چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئے تھے

اور بڑی شدت سے ایک دوسرے کی تکفیر میں منہمک تھے۔ علماء امت کا زیادہ زور دعوت پر تھا اور دین کے کسی فروعی مسئلہ پر بحث و مناظرہ کرتے تھے، دین کے اصولوں اور اس کے مقاصد سے بے خبر تھے۔ صوفیاء کا حال ان سے بدتر تھا وہ سلف کے نام لیوا ضرور تھے مگر سلف کی حقیقی روح ان کے تصوف سے غائب تھی اور ان میں کا ہر ایک اپنے گروہی تصوف ہی کو حرف آخر سمجھتا تھا اور کسی کو معاشرتی و ملکی مسائل سے دلچسپی نہیں تھی۔ برسوں کے جمود و تعطل نے اس دور کے علماء و مشائخ کے اندر اضمحلال پیدا کر دیا تھا ان کے ذہن و دماغ کی کھڑکیاں اور دروازے اس طرح بند تھے کہ تازہ ہوا اور روشنی کا گذر گویا ایک جرم تھا۔ تقلید جامد کی انتہا تھی ہر طرف رسوم و بدعات کا زور تھا، مسلمانوں میں مشرکانہ عقائد و اعمال رائج تھے۔ خصوصیت کے ساتھ اس دور میں تصوف کا زیادہ رواج تھا، عالم دین کا تصور اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ صوفی منش نہ ہو، اس تصوف کی آڑ میں بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی گدیاں سجا لیں اور صوفیت کے کشف و کرامات کے ذریعہ نئے گل کھلائے، عام علماء اور لوگوں کا یہی حال تھا تصوف کی ایک گولی کھائی بس چلہ تقویٰ و طہارت کے مراتب عالیہ کی سیر کر لی۔ جب علماء کا یہ حال تھا تو بے چارہ دین کیا کرتا، محدود ہو گیا اور اگر کچھ نظر آتا تو فروعی بحثوں اور مناظروں میں اس کا اندازہ شاہ ولی اللہؒ کے اس بیان سے ہوگا جس میں انھوں نے کنج نشین زاہدوں سے خطاب کیا ہے، فرماتے ہیں:

"دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں، اور وہ صوفیوں، عابدوں اور ان کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ، پھر اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمھارا کیا حال ہے، ہر بری بھلی بات پر رطب و یابس پر تمھارا ایمان ہے۔ لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو۔ تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو جو بیچارے مغلوب الحال تھے اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس بھی کھو بیٹھے تھے۔ چاہئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے خود اسے سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلعم نے پہنچایا ہے، وہی صرف ہدایت ہے پھر کیا تم بتا سکتے ہو کہ جن افعال کو تم کرتے ہو وہ رسول اللہ صلعم

اور آپ کے صحابہ کرام کیا کرتے تھے۔"(۲۱)

اس کے علاوہ معاشرتی و معاشی زندگی میں بھی خرابیاں عام تھیں لوگوں کے درمیان حلال و حرام کی تمیز باقی نہیں رہی تھی، اسراف و تبذیر کا زیادہ چلن تھا، ایک سے زیادہ نکاح معیوب تھا تقریبات کے موقعہ پر حد سے زیادہ تکلفات تھے۔ غرض مسلم معاشرے کی حالت بد تر تھی ان تمام باتوں کا اندازہ بھی شاہ صاحب کے ان خطبات سے ہوسکتا ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مسلمانوں سے کئے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی وفات ہم گذشتہ صفحات میں شاہ ولی اللہ کی ولادت اور وفات کے درمیان کے حالات و ظروف کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ اصل کارناموں کا تذکرہ اس کے بعد والے صفحات میں ہوگا۔ ممکن ہے کارناموں سے قبل شاہ ولی اللہ کی وفات کا تذکرہ عجیب سا لگے کیونکہ ان کے کارنامے زندہ جاوید کارنامے ہیں اور اس کے بعد شاہ ولی اللہ کا نام بھی زندہ رہے گا، ان کارناموں کو پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ جس کے اثرات آج بھی ہمارے اطراف و اکناف پائے جاتے ہیں۔ غرض، بارہویں صدی کا مجدد و مجاہد اور ایک عظیم مصلح بالآخر" اس بیش قیمت و بابرکت مدت حیات کے جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید اور احیاء سنت، قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت، یاد الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے فکر میں مصروف تھا، خاتمہ بالخیر کا دن آگیا جس سے کل نفس ذائقۃ الموت کے اعلان و وعدے کے مطابق نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی، نہ مجدد نہ مجاہد، ۱۱۷۶ھ شروع ہوا تھا محرم کی آخری تاریخ تھی، یوم موعود آپہنچا اور حضرت شاہ ولی اللہ نے مختصر علالت کے بعد ۶۲ باسٹھ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا اور جان جاں آفریں کے سپرد کی۔(۲۲) اس ظلمت کدہ ہند میں علم و عمل کی ایک دنیا روشن کرکے ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارنامے انشاء اللہ اب ہم قدرے تفصیل سے شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالیں گے، گو یہ باب بہت طویل ہے، یہاں اس کا احاطہ مقصود بھی نہیں اور ممکن بھی نہیں ہے مگر ہم اس کی کوشش کریں گے کہ وہ بڑی بڑی سرخیاں آجائیں جن پر شاہ صاحب نے خصوصی توجہ صرف کی تھی مگر ہم اس مقالہ کی تیاری میں اس امر کا

اعتراف کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم نے شاہ صاحب کی تصنیفات کی بہ نسبت شاہ صاحب پر لکھنے والوں سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک تجدید و اصلاح مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، سیرت سید احمد شہید میں رقمطراز ہیں: "آخری صدیوں میں تجدید اسلامی کا مرکز ہندوستان قرار پایا، اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے شریعت اسلامی کے احیاء کے علاوہ مسلمان حکومت کی اصلاح اور اسلام کو اس کے نظام میں غالب حصہ دلانے کی کوشش کی جس کا کچھ نتیجہ عالمگیر کے اسلامی رجحانات اور متشرع خیالات کی صورت میں ظاہر ہوا۔

بارہویں صدی میں اسلامی تحریک کے علمبردار حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہوئے آپ نے اس کام کے لئے دماغوں کو صاف اور زمین کو ہموار کرنے کا پورا کام کیا اور اپنی مجتہدانہ تصنیفات میں اسلامی نظام کا خاکہ پیش کردیا اور اس خاکہ کو بھرنے کے لئے اہل ترین اشخاص بھی پیدا کر دیئے۔"(۲۳)

شاہ ولی اللہ کی تحریک اصلاح و تجدید صرف ہندوستان تک محدود نہ تھی بلکہ بہت ہی قلیل مدت میں ساری اسلامی دنیا اس تحریک سے متاثر ہوگئی اور شاہ ولی اللہ کی تجدید و اصلاح کی چنگاری ایسی بھڑکی کہ سارا عالم روشن ہوگیا، اور عالم اسلام کے اندر مسلمانوں میں ایک نئی حرکت پیدا ہوئی اور برسوں کے جمود کے بعد مسلمانوں نے اپنے اندر ایک نیا ولولہ اور جوش محسوس کیا اور دوبارہ اپنے آپ کو ایک زندہ و متحرک قوم کی حیثیت سے ابھارنا چاہا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تجدیدی کارناموں کا مطالعہ کرنے والا اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ انھوں نے اپنی ساری زندگی لوگوں کے ذہنوں کو بدلنے اور ان کے افکار و خیالات میں تبدیلی لانے میں صرف کی۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات پر جو دبیز پردے پڑے ہوئے تھے ان کو چاک کرکے اسلام کی صحیح صورت گری کرنے کی کوشش کی۔

شاہ ولی اللہؒ نے جن طبقات سے اپنی کشمکش کا آغاز کیا ان میں متصوفین حضرات کا طبقہ بھی شامل ہے۔ انھوں نے ہند و فلسفہ کے اثر سے اسلام کو بھی اسی قسم کا ایک "معجون" بنا کر رکھ دیا تھا اور اسلام کو اپنی اصل شکل و رنگ [illegible]
کو بھی مات کر دیا تھا [illegible] اسلام [illegible]

تعلیمات کو اپنے گھر سے نکال دیا تھا، اس طرح ایک طرف امراء کی عیش پسندیوں، دوسری طرف متصوفین کی فنائیت نے عقل و شعور اور فکر و اجتہاد کو معطل کر دیا۔ زندگی و قلندری مشغلہ بن گئی، اصلاح حال کا تصور محو ہو گیا، غور و فکر اور تحقیق و تجسس کے راستے مسدود ہو گئے، مجبوری و مظلومیت کے احساس میں لوگوں کو لذت ملنے لگی، ان حالات میں شاہ ولی اللہ نے قرآن کی تعلیمات کو عقل کی روشنی میں پیش کیا اور تشکیک و بے یقینی سے نجات دلانے کے لئے علم و حکمت کی شمع جلائی، حجۃ اللہ البالغہ کی تصنیف کا پس منظر بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ مصطفوی شریعت کے لئے وقت آگیا ہے کہ اسے برہان و دلیل کے پیراہن میں آراستہ کرکے میدان میں لایا جائے۔(۲۴) چنانچہ شاہ ولی اللہ نے اس کام کو اتنے بہتر طریقہ سے انجام دیا جس کی نمایاں مثال ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ اسلام کے ہر شعبہ کو عقل و منطق کے روپ میں پیش کیا اور اپنی مجتہدانہ بصیرت کے ذریعہ جدید مسائل کو سمجھنے اور انکار و قبول کے لئے راستہ ہموار کیا۔" شاہ صاحب نے ہر حکم کے اسرار و رموز اور اس کے اسباب و علل پر اس قدر زور دیا ہے کہ اسلام ایک مذہب عقل و منطق ہو گیا اور اس بنا پر جدید مسائل میں اجتہاد کرکے ان کا حکم معلوم کر لینے کا راستہ بہت سہل ہو گیا۔(۲۵)

شاہ صاحب نے اپنی مسلسل قلمی کوششوں سے ایک عظیم فکری انقلاب برپا کر دیا، دراصل شاہ صاحب کے ذہن میں ایک ہمہ گیر نظریہ کام کر رہا تھا اور شاہ صاحب اسلام کی بنیادوں پر ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے اس دور انحطاط میں انھوں نے نہ صرف وعظ و ارشاد، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ذریعہ عقائد و اعمال کی اصلاح کی، بلکہ آپ نے تلوار کے ذریعہ ہندوستان میں علی منہاج النبوۃ حکومت قائم کرنے کی بھی کوشش اور جد وجہد کی اگرچہ اس جد وجہد میں انھوں نے بذات خود عملی اقدام کیا؟ تاریخ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعد میں سید احمد شہید کی تحریک اور آپ کا جہاد اور میدان بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کرنے کے بعد بھی پورے بنگال اور سرحد میں اس تحریک کے نام کو برقرار رکھنے کے لئے مجاہدین کی ایک جماعت کا باقی رہنا اور اسلامی سلطنت و سیادت کے لئے کام کرتے رہنا، یہ تمام اسباب اسی فضا کا نتیجہ تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ نے پیدا کر دی تھی۔(۲۶)

شاہ ولی اللہ اور قرآن کریم

شاہ ولی اللہ نے جس تاریک دور میں اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا اس وقت کتاب و سنت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ قرآن کریم محض تبرک اور قسم کھلانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ تلاوت ہوتی تو طوطے کی رٹ کی طرح کبھی کچھ پڑھ لیا، اور عوام الناس کے لئے قرآن کا پڑھنا گویا جرم تھا، اور اس کے معنی و مطلب کو سمجھنا نا ممکن بلکہ محال تھا، غرض ان کی زندگی سے قرآن کا کچھ بھی تعلق باقی نہ رہا تھا ان حالات میں شاہ ولی اللہ نے قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا اور کوشش کی کہ عوام و خواص کو تصوف کی پیچیدہ بھول بھلیاں سے نکال کر فضائے بسیط میں لائیں اور کتاب اللہ کو سمجھنے اور سمجھانے پر ان کو مائل کریں انھوں نے ہر طرح کی مخالفت کے باوجود پہلی بار فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا، فرنگی محل اور یوپی اضلاع میں فلسفہ و منطق کا جو سیلاب آیا ہوا تھا اس پر بند باندھنے کی کوشش کی، اپنے زمانے کے کرامت فروشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تقلید جامد کے علمبرداروں پر ضرب لگائی، اجتہاد کے مقفل دروازے کو کھول دیا، مذہبی و فقہی تفریق و فرقہ بندی کی مخالفت کی، شاہ صاحب نے تصوف کے ان منفی اثرات کو محسوس کیا جن کے نتیجہ میں لوگ اجتماعی و سیاسی زندگی کی اہم ذمہ داریوں سے غافل ہوتے جا رہے تھے۔(۲۷) اور جوں ہی یہ خبر عام ہوئی کہ شاہ ولی اللہ نے عجمی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے تو اس وقت کے مولوی حضرات نے مخالفت شروع کر دی اور ہر طرح کی ایذا رسانی کا "ذریعہ" انجام دینا شروع کیا، حالانکہ اس بنا پر شاہ صاحب کو قتل کرنے کا پروگرام بھی بنایا گیا تھا، جب ہر طرح سے علماء کو شکست نظر آئی تو اپنی "بندوق" کی آخری گولی "فتوی کفر و فسق" بھی داغ دیا، ہماری نظر میں کوئی مجدد یا مصلح ایسا نہیں گزرا ہے جس پر "دین و ایمان" کے ٹھیکہ داروں نے "فتوی کفر" سے گولی نہ چلائی ہو چنانچہ شاہ ولی اللہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا مگر شاہ ولی اللہ کا عزم راسخ اور نیک نیتی تھی کہ کام آگے بڑھا اور قرآن مجید کے جتنے تراجم بھی ہیں انھیں کے طفیل سے ہیں۔

شاہ صاحب نے قرآن کا ترجمہ کیوں کیا؟ اس کے متعلق خود شاہ صاحب نے "فتح الرحمان" کے دیباچے میں لکھا ہے "یہ زمانہ جس میں ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندے ہیں ہمیں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ ترجمہ قرآن سلیس اور با محاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت

اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجیہات کے ذکر کرکے۔ کیا جائے تاکہ عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے بھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں اس لئے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا ہے اور اس کے لئے مجبور کیا گیا۔ (۲۸)

شاہ ولی اللہ کے بعد اس عظیم الشان کام کو ان کے فرزندان گرامی نے آگے بڑھایا آج ہندو پاک کا کون سا مفسر ایسا ہے جو ان تراجم سے استفادہ نہ کیا ہو۔ شاہ صاحب نے جس خیر خواہی کی بدولت یہ کارنامہ انجام دیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بڑی بھاری تعداد عوام کی قرآن سے قریب ہو رہی ہے اور اس کا سہرا یقیناً شاہ صاحب ہی کے سر ہے۔

شاہ ولی اللہ اور حدیث | ہندوستان میں حدیث کا چرچا پہلے ہی ہو چکا تھا۔ قرن اول کی گل گوں زمانہ میں صرف اجزاء و حدیث کی خوشبو سے معطر تھیں اور یہی خوشبو ہندوستان میں بھی پھیلنی شروع ہوگئی مگر یہاں خوشبو کے پھیلنے کا سلسلہ قائم نہیں رہا۔ اگرچہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ لیکن جب ذات گرامی کی وساطت سے یہاں حدیث کی تعلیم و اشاعت کا رواج ہوا اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں ان کے بارے میں اہل علم کا اعتراف ہے کہ "اول کسے کہ تخم حدیث در ہند کشت او بود" مگر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت مکمل تاریخی جائزہ لینے کے بعد اہل علم کے مذکورہ اعتراف پر لکھا ہے کہ "گو تاریخ کی روشنی میں بزرگوں کا یہ پورا مقولہ صحیح نہیں ہے تاہم معنوی حیثیت سے اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانہ کو وقف عام کیا اور دلپسند محققانہ تصنیفات کے ذریعہ سے علماء ظاہر و باطن دونوں کی محفلوں سے تحسین و آفرین کی داد وصول کی" (۲۹) لیکن اس علم کی تکمیل کا سہرا شاہ ولی اللہ کے سر ہی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے علم حدیث ہی کی خاطر حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں کے علماء حدیث سے حدیث میں سند لی آپ کے اساتذہ میں سے فن حدیث کے ماہر استاد شیخ ابو طاہر مدنی ہیں ان سے شاہ صاحب نے حدیث پڑھی اور فراغت کے بعد وطن (ہندوستان) واپس ہوئے۔ شاہ ولی اللہ کی حدیث دانی اور حدیث فہمی اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ شیخ ابراہیم مدنی نے اپنے لائق شاگرد کے بارے میں فرمایا کہ "یہ مجھ سے حدیث میں سند لیتے ہیں اور میں ان سے معانی میں سند لیتا ہوں" (۳۰) استاد کا یہ جملہ لائق شاگرد کی حدیث دانی

اور حدیث فہمی کا بین ثبوت ہے اور اس کی توثیق حجۃ اللہ البالغہ کی دوسری جلد سے بخوبی ہوتی ہے" اس طرح شاہ صاحب نے شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ کی کوششوں کی تکمیل کی۔ تالیف و تحریر کے ذریعہ کتب حدیث کو عام کیا، حدیث کی اولین اور صحیح ترین کتاب موطا امام مالک کی فارسی اور عربی میں مجتہدانہ دو شرحیں لکھیں، صحیح بخاری کے تراجم کی شرح کی اور "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین"، ایک رسالہ لکھا فقہ و اسرار حدیث میں حجۃ اللہ جلد دوم لکھی خود ہندوستان میں حدیث درس و تدریس کے باقاعدہ حلقے قائم کئے اور ان کے بعد ان کے تلامذہ نے تمام ملک میں پھیل کر اس کو عام کیا۔ آج ہندوستان کے اندر کسی بھی جگہ قال قال رسول اللہ کی جو آواز سنائی دے رہی ہے یہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے ہی کا فیض عام ہے۔

شاہ ولی اللہ فکری انقلاب کے ایک عظیم لیڈر | امام العصر ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے کہ "شاہ صاحب تاریخ انسانی کے ان لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کرکے فکر و نظر کی ایک صاف، سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دنیا میں حالات موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی اور تعمیر نو کا ایسا ولولہ آفریں نقشہ پیدا کرتے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد اور تعمیر صالح کے لئے ایک تحریک اٹھتی ہے، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی تحریک اٹھاتے ہوں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بنانے کے لئے میدان میں نکل آتے ہیں۔ تاریخ میں اس قسم کی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں۔ (۳۱)

شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ لوگوں کے ذہنوں کو بدلا اور ہموار کیا اور ایسا انقلاب برپا کیا کہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں پروان چڑھنی شروع ہوئیں، اور برسوں کے زنگ خوردہ قفل ایک سے ایک کھلتے چلے گئے۔

شاہ ولی اللہ اپنے پاس ایک عظیم منصوبہ بند پروگرام رکھتے تھے، اور اس کے مطابق ہندوستان میں ایک انقلاب لانا چاہتے تھے، مگر انہیں علمی جہاد سے اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ وہ عملی میدان میں اتر آتے اور عملاً ایک انقلاب برپا کر جاتے لیکن انھوں نے صرف اپنی بصیرت، تنقید کے ذریعہ بہت

کے گرد و غبار کو پاک کیا تب جاکر میدان صاف ہوا۔ شاہ صاحب جیسے بیداروں کا اصلی کام یہی ہوتا ہے کہ وہ تنقید سے صدہا برس کی جمی ہوئی غلط فہمیوں کا غبار چھانٹ دیتے ہیں اور نہاں میں نئی روشنی پیدا کرتے ہیں۔ زندگی کے بگڑے ہوئے مگر پختہ کئے ہوئے سانچے کو عام ذہنی میں توڑتے ہیں اور اس کے ملبے میں سے اصلی پائیدار حقیقتوں کو نکال کر دنیا کے سامنے رکھ جاتے ہیں یہ کام بجائے خود اتنا بڑا ہوتا ہے کہ ان مشغولیتوں سے آدمی کو اتنی فرصت مشکل ہی سے مل سکتی ہے کہ خود میدان میں آکر تعمیر کا عملی کام بھی کر سکے۔(۳۲) شاہ ولی اللہ کے پروگرام میں عملی انقلاب کا بھی نقشہ موجود تھا اس لئے تفہیمات میں ایک جگہ اشارہ کرتے ہیں کہ اگر موقع و محل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کرکے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت بھی رکھتا تھا(۳۳) لیکن شاہ صاحب نے بذات خود کبھی عملی میدان میں قدم نہیں رکھا البتہ انھوں نے بالواسطہ وہ کام انجام دیا جو ایک انقلاب کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پانی پت کا میدان کارزار حقیقت میں شاہ ولی اللہ ہی کا سجایا ہوا تھا مگر بدقسمتی سے شاہ صاحب کو کوئی ایسی حکومت یا اقتدار نہ مل سکا جس کی طاقت کے ذریعہ ایک صالح تبدیلی لاتے مولانا عبید اللہ سندھی کے الفاظ میں شاہ ولی اللہ اور کارل مارکس دونوں اپنے اپنے عہد کے عظیم مفکر تھے اور اپنی فکر کی اساس پر ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے، ایک نے حجۃ اللہ البالغہ لکھی اور دوسرے نے (DAS CAPITAL) مرتب کی لیکن کارل مارکس کو ایک حکومت مل گئی تو اس کے (DAS CAPITAL) نے ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا اور شاہ ولی اللہ کو بدقسمتی سے کوئی حکومت نہ مل سکی اس بنا پر حجۃ اللہ البالغہ صرف ایک فلسفہ ہو کر رہ گئی، بقول اکبر الہ آبادی سے

نہ ہو مذہب میں گر زورِ حکومت
تو وہ مذہب نہیں اک فلسفہ ہے (۳۴)

شاہ ولی اللہ اجرائے نظام اسلامی کے علمبردار

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کو بحیثیت نظام زندگی کے مرتب کیا تھا، انھوں نے صرف ترتیب و تدوین ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ نظام اسلامی کے جاری و نافذ کرنے کی بھی کوشش کی شاہ صاحب نے صاف اعلان کیا تھا کہ "میں آیا ہی ہوں ہر نظام رائج کو توڑ پھوڑ دینے کے لئے۔(۳۵) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر نظام رائج کو توڑ دینے کے

بعد اس کو یونہی چھوڑ بھی دینا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کی جگہ نظام اسلامی کی ترویج اور نفاذ چاہتے تھے اور اسی وقت شاہ ولی اللہ نے ایک فلاحی مملکت کا تصور دیا۔ ایسی فلاحی مملکت جو آبادی کے معاشی ضرورتوں کے ساتھ اس کے روحانی تقاضوں کا بھی خیال رکھے۔(۳۶) گویا یہ ثابت نہیں ہے کہ شاہ ولی اللہ نے کبھی تلوار کے ذریعہ نظام باطل کی سرکوبی کے لئے میدان میں اترتے ہوں بلکہ انھوں نے اس کام کو نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ کروایا چنانچہ نجیب الدولہ کو ایک خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

"امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر طریقہ جد و جہد کو زندہ کرکے اس کے برکات اس دنیا و آخرت میں عطا فرمائے گا۔" (۳۷)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک کام کا جو نقشہ تھا جس کی بنیاد پر وہ آگے کام کرنا چاہتے تھے، اس کا اندازہ ان کے درج ذیل اقتباس سے بھی ہوگا جس کو انھوں نے خلافت کی تعریف میں لکھا ہے فرماتے ہیں:

"خلافت اس عمومی سربراہی اور ریاست عامہ کا نام ہے جو "اقامت دین" کے کام کی تکمیل کے لئے وجود میں آئے اس اقامت دین کے دائرۂ کار میں علوم دینیہ کا احیاء ارکان اسلام کا قیام، جہاد اور اس کے متعلقات کا انتظام مثلاً لشکروں کی ترتیب، جنگ میں حصہ لینے والوں کے حصص، مال غنیمت میں ان کا حق، نظام قضا کا اجراء، حدود کا قائم کرنا، مظالم و شکایات کا ازالہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی شامل ہے اور یہ سب آنحضرت صلعم کی نیابت اور نمائندگی میں ہونا چاہئے۔" (۳۸)

خلافت کے اس تصور کے ساتھ شاہ صاحب نے ہندوستان میں کام کرنا چاہا اور مسلمانوں کی رہی سہی سلطنت میں روح حیات پھونک کر اس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بنا چاہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے درد مند دل کی پکار ان کے ان خطوط میں سنائی دیتی ہے جو انھوں نے احمد شاہ ابدالی کے علاوہ نجیب الدولہ اور نظام الملک کو لکھے۔ ان امراء میں اسلامی حمیت و غیرت باقی تھی اس سے شاہ صاحب نے فائدہ اٹھانا چاہا۔(۳۹) مگر افسوس کہ اس معاملہ میں انھیں کوئی حقیقی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ بقول مولانا سندھی کے شاہ ولی اللہ

کو بدقسمتی سے کوئی حکومت نہ مل سکی اس بنا پر حجۃ اللہ البالغہ ایک فلسفہ ہو کر رہ گئی مگر شاہ ولی اللہ کے تمام کاموں کے سلسلے کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو مولانا عبید اللہ سندھی کے ارشاد کے مطابق یہ صاف نظر آتا ہے کہ شاہ ولی اللہ در اصل اسلامی انقلاب کی ایک عظیم الشان تحریک کے بانی و مؤسس تھے اگرچہ حالات کی نامساعدت کے باعث اس ملک میں اسلامی حکومت قائم نہ ہو سکی تاہم اس کا یہ اثر ضرور ہے کہ مسلمان بحیثیت ایک قوم کے اس ملک میں زندہ ہیں۔ (۴۰)

تعلیقات وحواشی

۱	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	تجدید و احیائے دین	ص ۴۳
۲	امین احسن اصلاحی	تنقیدات	،، ۱۴۷
۳	سید ابوالحسن علی ندوی	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (مطبوعہ ناجی پریس لکھنؤ)	،، ۱۹۳
۴	تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ ہندوستان" "ہندوستان اسلام کے سائے میں"		
۵	سید سلیمان ندویؒ	مقالات سلیمان ج ۱	ص ۱۸۹
٦	ایضاً	ایضاً	،، ۲۲۱
۷	ہولون	تمدن ہند اردو ترجمہ	،، ۳۱۰
۸	ایضاً	ایضاً	،، ۷۵۵
۹	سید ابوالحسن علی ندوی	سیرت سید احمد شہید مطبوعہ ناجی پریس لکھنؤ	،، ۲۴
۱۰	مسعود عالم ندویؒ مضمون	الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر	،، ۱۹
۱۱	ایضاً	ایضاً	،، ۳۸
۱۲	محمد ذکاء اللہ	تاریخ ہندوستان ج ۲	،، ۷
۱۳	سعید احمد اکبرآبادی	مسلمانوں کا عروج و زوال	،، ۳۲۵
۱۴	ایضاً	ایضاً	،، ۳۲۹
۱۵	سید سلیمانؒ	مقالات سلیمان ج ۳	،، ۴۴

۱٦	سعید احمد اکبرآبادی	مسلمانوں کا عروج و زوال	ص ۳۳٦
۱۷	ابوالحسن علی ندوی	تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵	،، ۸۰
۱۸	ایضاً	ایضاً ج ۵	،، ۹۷
۱۹	ایضاً	ایضاً بحوالہ الجزء اللطیف مصنفہ شاہ ولی اللہ	،، ۱۰۳
۲۰		ماہنامہ "الرحیم" ستمبر ۶۳ء	،، ٦۰
۲۱	مناظر احسن گیلانیؒ	"تذکرہ شاہ ولی اللہؒ"	،، ۹٦
۲۲	ابوالحسن علی ندویؒ	"تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵	،، ۱۱۸
۲۳	ایضاً	سیرت سید احمد شہید ج ۱	،، ۳۸
۲۴	مرتب جلال الدین عمری	سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اکتوبر دسمبر ۸۲ء	،، ۲٦
۲۵	مرتب	فکر اسلامی کی تشکیل جدید	،، ۲۸۷
۲٦	سعید احمد اکبرآبادی	مسلمانوں کا عروج و زوال	،، ۳۴۰
۲۷	مرتب جلال الدین عمری	سہ ماہی تحقیقات اسلامی اکتوبر دسمبر ۸۲ء	،، ۲۸
۲۸	ابوالحسن علی ندوی	منقول از "تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵	،، ۱۳٦
۲۹	سید سلیمان ندویؒ	مقالات سلیمان ج ۳	،، ۲۳
۳۰	ایضاً	ایضاً ،،	،، ۴۷
۳۱	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	تجدید و احیائے دین	،، ۹۰
۳۲	،،	،،	،، ۹۰
۳۳	،،	،،	،، ۹۱
۳۴	مرتب	فکر اسلامی کی تشکیل جدید	،، ۲۹۰
۳۵	ابوالاعلیٰ مودودیؒ	تجدید و احیائے دین	،، ۹۰
۳٦	سعید احمد اکبرآبادی	مسلمانوں کا عروج و زوال	،، ۳۴۷
۳۷		ماہنامہ الرحیم ستمبر ۶۳ء	،، ٦۴
۳۸	مرتب پروفیسر خلیق احمد نظامی	سیاسی مکتوبات	،، ۱۰۱
۳۹	ابوالحسن علی ندوی	"تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵	،، ۲۹۲
۴۰	ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر		،، ۱۱۷

انسانیت کا عالمی منشور

حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا وہ انسانیت کا عالمی منشور ہے۔ اور اس سے زیادہ حقوق انسان کو اسلام کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیئے

اللہ کی حمد و ثنا کے بعد

"لوگو! میری بات غور سے سنو، میرا خیال ہے کہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ پر تم سے نہ مل سکوں اور نہ شاید اس سال کے بعد (آئندہ) حج کر سکوں۔"

لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے بہت سے خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم پہچانے جا سکو، یعنی باہم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے، فضیلت اور برتری صرف پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔

سب لوگ، آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

خبردار! خون، یا مال کا ہر وہ دعویٰ جس کے لوگ مدعی ہیں، وہ میرے قدموں تلے ہے۔ میں اسے باطل قرار دیتا ہوں، مگر بیت اللہ کی نگرانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت حسب دستور رہے گی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اے گروہ قریش! قیامت کے روز ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے آؤ اور لوگ آخرت کا سامان لے کر آئیں (یاد رکھو) اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا۔

خبردار! زمانۂ جاہلیت (قبل از اسلام) کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روند دی

گئی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام خون (خواہ وہ کسی کے بھی ہوں) سب معاف ہیں (اب طرفین میں سے کوئی اس کا بدلہ نہیں لے سکے گا)

میں اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کا ایک خون، جو کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا ہے، معاف کرتا ہوں، واقعہ یہ تھا کہ عامر بن ربیعہ نے بنی سعد سے کسی دودھ پلانے والی کو طلب کیا تھا جسے ہذیل نے قتل کر ڈالا تھا، دور جاہلیت کا ہر سود معاف ہے، اس قانون کی ابتدا بھی میں اپنی طرف سے کرتا ہوں، اور اپنے عم محترم عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں، ان کا سود سب کا سب معاف اور کالعدم ہے۔

لوگو! تمہارے خون (جانیں) تمہارے اموال اور تمہاری عزت و آبرو قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ جس طرح تمہارے اس دن، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت واجب ہے اور تم سب عنقریب اپنے پروردگار کے سامنے جاؤ گے جہاں تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

اے لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جسے تم پسند نہ کرتے ہو، نیز ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو تمہارے رب نے تمہیں یہ اجازت دی ہے کہ ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کر دو، اگر اس پر بھی باز نہ آئیں، تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ انہیں ایسی ہلکی مار مارو جس سے بدن پر نشان نہ پڑیں اور اگر وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز آجائیں تو حسب دستور ان کا کھانا کپڑا تمہارے ذمے ہے۔

خبردار! کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے ہمیشہ پابند رہو کیونکہ وہ تمہاری زیر نگرانی ہیں اور اس حیثیت میں نہیں کہ اپنے معاملات خود چلا سکیں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعہ ان کو اپنے لئے جائز و حلال کیا ہے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے میراث کا قانون نازل کر کے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز و نافذ نہیں۔

بچے کا نسب اسی مرد سے ثابت ہوگا جس کی وہ بیوی ہے، جس نے بدکاری کی اس کے لیے سزا ہے (بچہ اس کا نہیں کہلائے گا)، اور ان کا حساب و کتاب اللہ کے ذمے ہے۔

جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کی، یا کسی غلام نے اپنے کو کسی دوسرے مالک کی طرف منسوب کیا، اس پر خدا کی لعنت ہے۔

قرض ادا کیا جائے گا، عاریت واپس کی جائے گی، ضامن تاوان کا ذمے دار ہے۔

خبردار! جرم کرنے والا خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہے، باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور اپنے بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں۔

کسی شخص کے لیے کسی بھائی کی کوئی چیز لینا جائز نہیں البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ دے، پس تم لوگ اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کرو۔

لوگو! خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں،

تمھارے غلام تمھارے غلام ہیں، تم خود جو کچھ کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی انھیں بھی پہناؤ۔

خبردار! میرے بعد گمراہ (کافر) نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امانت والے کو ٹھیک ٹھیک طریقے سے لوٹا دے۔

اگر کوئی نکٹا اور سیاہ فام حبشی غلام بھی تمھارا امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق تمھاری قیادت کرے تو تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمھارے بعد اب کوئی نئی امت نہیں ہے۔

میں تم میں ایک نعمت چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم مضبوطی سے اسے تھامے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ نعمت اللہ کی کتاب، قرآن مجید ہے۔

لوگو! مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلے بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہو گئیں۔

اے لوگو! اب شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس سرزمین پر اس کی پرستش کی جائے

لیکن عبادات کے سوا دوسرے معاملات میں اپنے پست افعال کے ذریعے اس کی فرمانبرداری کی گئی تو وہ اس پر بھی راضی رہے گا۔ پس تم اپنے دین کو اس کے شر سے بچا کر رکھنا۔

خبردار! اپنے رب کی عبادت کرتے رہنا، پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرو، اپنے امرا کے حکم کی پیروی کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اے لوگو! نسی کفر کی زیادتی کے سبب ہے، اس کے ذریعہ کفار گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ ایک سال حرام مہینوں کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال انھیں کو حرام قرار دے لیتے تھے تاکہ اس طرح حرام مہینوں کی گنتی پوری کر لیں، لیکن اب زمانہ پھر اس ابتدائی حالت پر لوٹ آیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ اللہ کے نزدیک سال کے ۱۲ مہینے ہوتے ہیں جنھیں چار مہینے حرمت والے ہوتے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) اور ایک ماہ رجب ہے جو جمادی الثانیہ و شعبان کے درمیان واقع ہے۔

خبردار! جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، کیونکہ بہت سے لوگ جن کو میرا پیغام پہنچے گا وہ ان لوگوں سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں گے جو اس وقت سننے والے ہیں۔

تم لوگوں سے میرے متعلق بھی پوچھا جائے گا، بتاؤ، تم میرے بارے میں کیا کہو گے۔

حاضرین نے ایک زبان ہو کر عرض کیا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے امانت کو پوری طرح ادا کر دیا، اللہ کا پیغام (ہم تک یا لوگوں تک) پہنچا دیا، اور نصیحت کر دی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

اے اللہ تو گواہ رہو! اے اللہ تو گواہ رہو! اے اللہ تو گواہ رہو!

آپ اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر لوگوں کی طرف جھکا دیا کرتے۔

اے اللہ تو گواہ رہو!

اے اللہ تو گواہ رہو!

نورالحسن نقوی

غالب کے کلام میں تخیل کی بلندی

تخیل کی اہمیت پر غالب کے شاگرد حالی نے بہت زور دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تخیل کے بغیر شاعری وجود میں نہیں آ سکتی اور یہ کہ جس شاعر میں یہ قوت جتنی اعلیٰ ہوگی اس کی شاعری اتنی ہی عمدہ ہوگی۔ تخیل کی اہمیت حالی کی دریافت نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے مفکرین نے اس پر خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ البتہ حالی نے غالب کے کلام سے رفعت تخیل کی اچھی مثالیں پیش کی ہیں۔ یہ تخیل ہی کا کمال ہے کہ شاعر ساغر جمشید پر مٹی کے کوزے کو فضیلت دے دیتا ہے۔

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

یا پھول کی خوشبو، دل کے نالے اور دود چراغ کی مشترک خصوصیت تلاش کر لیتا ہے۔

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

تہ داری بھی کلام غالب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ بھی غالب کے تخیل ہی کا کرشمہ ہے کہ ان کے اکثر شعروں میں کئی کئی پہلو پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ان کا ایک شعر ہے

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہوا کہ دشت کی ویرانی کو دیکھ کے گھر یاد آیا کہ وہ بھی ایسا ہی اُجاڑ تھا۔ دوسرا مطلب یہ کہ عشق نے دشت پیمائی کرائی اور اس ویرانی کو دیکھ کے یہ خیال آیا کہ عشق کیا ہی کیوں جو گھر کی آبادی کو چھوڑ کے ویرانے میں آنا پڑا۔ ایک تیسرا مطلب بھی نکلتا ہے پہلے مصرعے کو استفہامیہ انداز میں پڑھئے، یعنی یہ ویرانی بھی کوئی ویرانی ہے؟ اصل ویرانی دیکھنی ہو تو میرے گھر کو دیکھو، یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ غالب کے دیوان میں ایسے تہ دار اشعار بہت سے ہیں جن کے کئی کئی مطلب آج نکلے ہیں اور کئی کل کو نکلیں گے۔

اردو شاعری پر غالب کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ انھوں نے غزل کے موضوعات کو وسعت بخشی۔ ان سے پہلے اردو شاعری عشق و عاشقی اور تصوف کے دائرے سے باہر قدم نہ رکھتی تھی۔

غالب نے پوری زندگی کا مشاہدہ کیا تھا۔ انھوں نے اس مشاہدے میں اپنے قاری کو بھی شریک کر لیا اور اس کے حدود وسیع کر دیئے یعنی کل کائنات۔

غالب کے کلام میں ہر زمانے اور ہر ذوق کی تسکین کا سامان موجود ہے۔ ان کی شاعری طرز احساس اور پیرایۂ اظہار دونوں کے اعتبار سے جدید ذہن کو متاثر کرتی ہے۔ آنے والے زمانے کے لئے ان کا کلام ممکن ہے کہ آج سے بھی زیادہ پرکشش ہو۔ انھیں گلہ تھا کہ ان کے کلام کا کوئی قدرداں نہیں مگر ان کی بات میں بات نکالنے والی طبیعت نے اس میں بھی تسکین کا پہلو ڈھونڈ لیا تھا۔ شراب رکھی رہے تو اس کا نشہ تیز ہو جاتا ہے اور اسی لئے وہ زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے۔ ایک فارسی شعر میں غالب اپنی شاعری کو ایسی شراب سے تعبیر کرتے ہیں جس کا آج کوئی خریدار نہیں مگر کل اس کے طلبگار بہت ہوں گے۔

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن (یوم ولادت غالب، ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء)
ایں مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن

(بقیہ انتشار ملت کے اسباب)

بہر حال بات کچھ بھی ہو لیکن اصحاب علم و بصیرت کو موجودہ نصاب تعلیم کی اصلاح پر متوجہ ہونا چاہئے۔ اور نصاب تعلیم کو ایسا جامع اور ہمہ گیر بنانا چاہئے جس سے وہ موجودہ حالات میں قیادت سنبھال سکیں اور بدلتے ہوئے حالات میں ملت کو صحیح رہنمائی دے سکیں۔

غزل

ارشاد احمد مخدومی

قصور آپ کا کچھ کم نہیں ہے
مجھے تنہائیوں کا غم نہیں ہے

یقیناً آہ میری بے اثر ہے
نگاہ یار جو پرنم نہیں ہے

سبھی مخمور ہیں اس انجمن میں
یہ پھر کیا ہے جو جام جم نہیں ہے

جنوں پیشہ ہوں میں میری نظر میں
حیات و موت کا ماتم نہیں ہے

گزر جاؤں گا میں دار و رسن سے
مری فطرت میں پیچ و خم نہیں ہے

تبصرہ کیلئے کتاب کی دو جلدیں ضروری ہیں

(ادارہ)

تعارف و تبصرہ

نام کتاب : نوائے دل ، مصنف ریحان الدین خان ریحان قاسمی

صفحات : ۱۲۸ کتابت وطباعت عمدہ سائز ۸/۲۲×۱۸ قیمت ۲۰ روپیہ

ملنے کا پتہ : ماڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹ گولامارکیٹ ، دریا گنج ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

مولانا ریحان الدین صاحب حمزہ پور ضلع سلطان پور سے تعلق رکھتے ہیں ، آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہیں اور اپنے سینے میں ایک حساس دل رکھتے ہیں جو قوم وملت کی زبوں حالی ، بد افراد کی چیرہ دستیوں پر خاموش نہیں رہتا بلکہ اس کی دھڑکن اور بڑھ جاتی ہے اور پورا وجود پریشان ہو جاتا ہے ، یہ دھڑکن اور پریشانی کبھی اشعار کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو کبھی مضامین اور کتابوں کی شکل میں اور کبھی مدرسوں اور درس وتدریس کی شکل میں . زیر تبصرہ کتاب " نوائے دل " ایسی ہی دھڑکنوں کا مجموعہ ہے . اس مجموعہ میں پہلے چار حمدیں ہیں پھر نعتیں ہیں ، پھر کئی نظمیں حرم شریف اور اس کی زیارت سے متعلق ہیں . قرآن ، اسلام کا پیغام ، تلاش خودی ، دارالعلوم دیوبند ، ندوۃ العلماء لکھنؤ ، امام الہندؒ ، حسین احمد مدنیؒ ، مولانا مودودیؒ ، مسلمان ، حریت ، تصوف ، سانحہ دارالعلوم دیوبند ، دارالعلوم پر یلغار ، دعائے صبح گاہی ، اہل بدعت وغیرہ اس کتاب کے خاص خاص موضوع ہیں اور ان پر نہایت سادگی کے ساتھ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور مافی الضمیر نہایت خوبی سے ادا کیا گیا ہے . بلاغت ندرت خیال اور سخن آفرینی جیسی چیزیں آپ کو اس کتاب میں کم ملیں گی

۔آپ ایک عالم دین ہیں اور بریلویت کے خلاف بڑے سرگرم رہے ہیں آپ کی کتاب " بریلی کا نیا دین " بہت مشہور ہے لیکن نعت کہتے ہوئے آپ نے ان موضوع رد لیکن کو بھی اشعار میں تبدیل کر دیا ہے جس سے بہر حال احتراز کرنا چاہئے ۔

بنایا جسے اول خدا نے نبی کرم کا تھا نور اطہر

وہ تھے نہایت ہر دو عالم وگرنہ نہ ہوتے وہ تخلیق عالم کے مظہر

نبوت کی پہلی کرن ان سے پھوٹی ہوئی دنیا آخر میں ان سے منور

لکھا تھا جلی حرفوں میں نام احمدؐ پڑی نظر آدم جو عرش بریں پر ۲۷ عفو

بریلویوں کے مشہور مسلک حضورؐ نور سے پیدا کئے گئے اور آپ کے جسم اطہر کا سایہ نہیں پڑتا تھا کی طرف اس شعر سے فوراً ذہن منتقل ہو جاتا ہے ۔

نور تھے وہ روشنی پھیلا گئے ہر طرف کفر وبدایت کی ضیاء

" تصویر کعبہ " کے عنوان پر لکھا ہے :

گھر منور ہے میرا کعبہ کی تصویر سے آج اصل کعبہ نہ سہی کعبہ کی تصویر سہی

اصل کعبہ تو بہت دور ہے نظروں سے مری ظل کعبہ ہی سہی ، کعبہ کی تنویر سہی

سر کو دہلیز پہ کعبہ کی ہے رکھنے کا خیال شوق دل کیسے ہو پورا ، یہی تدبیر سہی

دل کا یہ شوق تھا کعبہ ہو مرے پیش نظر گھر میں لگی ہوئی تصویر کی توقیر سہی

یہ اشعار ایک خاص قسم کا رجحان پیدا کرتے ہیں جس کو اسلام پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا اس کتاب میں نوجوانوں سے بھی خطاب کیا گیا ہے اور ان کو ماضی کی یاد دلا کر جوش عمل پر اکسایا گیا ہے . یہ حصہ نوجوانوں کے لئے بہت مفید ہے ، مجموعی طور سے یہ کتاب عوام الناس اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے ۔

نام کتاب : " سلطان الہند " صفحات ۱۶۰ سائز ۱۶/۲۶×۲۰ قیمت ۶ روپیہ

" : " تفہیم القرآن علماء کی نظر میں " صفحات ۹۶ سائز ۱۶/۳۰×۲۰ قیمت ۱ روپیہ ۴۰ پیسہ

" : " حق نما حق " " ۳۲ " ۱۶/۳۰×۲۰ قیمت ا روپیہ ۲۵ پیسہ

مصنف : ابن عبدالشکور

ملنے کا پتہ : اسلامک بک سنٹر ، جامعہ کامپلکس ، بی-آر-روڈ بنگلور ۔

جناب عبدالشکور صاحب تعارف کے کچھ زیادہ محتاج نہیں ہیں ، ہم نے اس سے پہلے ان کی تین کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ موصوف کے قلم میں کافی زور اور قوت ہے قاری کے دل میں اپنی بات بڑی خوبی سے بٹھا دیتے ہیں اور ان کی تحریروں میں ایک خاص قسم کا لطف اور حسن پایا

جاتا ہے۔ پہلی کتاب "سلمان الخیر"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضؓ کے حیات، کارنامے اور ملفوظات پر مشتمل ہے اور بڑے عمدہ انداز میں ان کے تلاش حق جاں نثاری اور خود سپردگی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ راہ حق میں ان کی جدوجہد اور قربانیاں تحریک اسلامی کے کارکنوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

دوسری کتاب "تفہیم القرآن علماء کی نظر میں" ہندوستان کی معروف اور مشہور شخصیات، قدیم وجدید درسگاہوں کے فتاوی پر مشتمل ہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ، امین احسن اصلاحی، مولانا شبیر احمد عثمانی قاری محمد طیبؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور نعمانی، مولانا ماہرالقادری مولانا محمد علی جوہر، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا جلیل احسن ندویؒ جیسی شخصیات تفہیم القرآن کے بارے میں کیا فرماتی ہیں۔ یہ تمام باتیں اس کتاب میں موجود ہیں۔ تفہیم القرآن مولانا مودودیؒ کی ایک شاہکار تفسیر ہے جو اردو کی تمام تفاسیر پر بھاری ہے اس کے بارے میں جو لوگ اکابرین اور مدارس کے فتاوی جاننا چاہیں ان کے لئے یہ کتاب مفید ہے۔

تیسری کتاب "قافلۂ حق" اسلام کے شیدائیوں اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے والے سودائیوں کا خوبصورت تذکرہ ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں سید احمد شہیدؒ کا قدرے مختصر اور مولانا مولانا مودودیؒ کا قدرے تفصیل سے تذکرہ ہے تحریک کے کارکنوں اور دین کے شیدائیوں کے لئے یہ ایک خوبصورت تحفہ ہے جسے ابن عبدالشکور نے پیش کیا ہے۔

نام کتاب: "طلاق کب اور کیسے" شمس پیرزادہ، صفحات ۱۲ قیمت ۱ روپیہ

ملنے کا پتہ: ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹ محمد علی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۳

یہ طلاق کے موضوع پر شمس پیرزادہ صاحب کی لکھی ہوئی ایک مختصر مگر عمدہ کتاب ہے۔ طلاق کا مسئلہ ہمارے معاشرہ میں روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور نئے نئے مسائل بھی جنم لے رہے ہیں ہم میں سے اکثر لوگوں کو طلاق کا طریقہ معلوم نہیں ہے اور ایک ہی سانس میں تین بلکہ دس دس طلاقیں دے ڈالتے ہیں اور گناہ کے مرتکب بھی ہوتے ہیں اور شرمندہ بھی۔ اس کتاب میں طلاق کا اسلامی طریقہ بتایا گیا ہے اور اس سے پہلے کی تدبیریں اور مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عام مسلم معاشرہ کیلئے بہت مفید اور کارآمد ہے۔

حلقۂ یاراں

محمد ہندی
س۔ ط
اعجاز الحسن جاوید

چند لفظوں نے بدل ڈالا ہے کردار حیات
ہم فقط شوخیٔ تحریر سمجھ بیٹھے تھے

جناب مدیر صاحب!

السلام علیکم

جون کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ مقبول احمد فلاحی کا مضمون "فریضۂ اقامت دین اور معاشی مضمرات" وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ مدیر حیات نو اور مقبول احمد فلاحی دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک اہم موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ ہم تمام نوجوانوں کے دلوں کی آواز ہے۔ اب حیات نو گھر گھر پہنچانے کے لائق ہوگیا ہے ورنہ اب تک اپنا پورا زور جامعہ کے لیل ونہار ہی پر صرف کرتا رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر اور لوگوں کو لکھنے کی دعوت دی جائے بلکہ ۹۵ء کے بنگلور کنونشن کے موقع پر اس موضوع پر ایک نمبر نکالا جائے۔

فقط والسلام

(محمد ہندی)

برادر طارق [illegible] صاحب! مدیر حیات نو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حیات نو کا تازہ شمارہ ملا۔ حسب سابق اس بار بھی اداریہ پر نظر پڑی۔ اداریہ بہت خوب ہے لیکن آپ نے جامعۃ الفلاح کو ضرورت سے زیادہ سراہا ہے۔ جامعہ کا نصاب جدید وقدیم کا سنگم ضرور ہے مگر تعلیم برائے نام ہی ہوتی ہے۔ عربی تعلیم کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ معیار دن بدن گرتا جارہا ہے۔ طلبہ تو طلبہ اب اساتذہ بھی مطالعہ سے گھبرانے لگے ہیں۔ جامعہ کے قیام سے متعلق جو آپ نے ۱۹۶۲ کا حوالہ دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ جامعہ تو اس سے قدیم ہے۔ اس سے پہلے اسکا نام جامعہ اسلامیہ تھا اور اس سے بھی پہلے یہ تعلیم کے ایک ابتدائی درسگاہ کی شکل میں موجود تھی۔ امین احسن صاحب اصلاحی کا انٹرویو بہت اچھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنا نقطۂ نظر بدل دیا ہے ورنہ ان کا ایک کیسٹ جو ہر جگہ دستیاب ہے اس کے بالکل برعکس ہے اور جماعت کو

بڑا سخت اور سست کہا ہے۔ انجام درد کا مضمون بڑی محنت سے لکھا گیا ہے اور اچھا ہے۔

فراق گورکھپوری پر تبصرہ نہایت مناسب ہے۔ فراق ایک بڑے شاعر تھے مگر اتنے بڑے نہیں جتنا ظاہر کیا جاتا ہے اور ان کی ایک بڑی خوبی یہ بھی کہ اپنے اوپر خود ہی مضامین لکھتے تھے اور جی بھر کر اپنی تعریف کرتے اور دوسروں کے نام سے شائع کراتے تھے۔ تابش مہدی کا یہ شعر بہت پسند آیا ہے

آئینہ پہلے خود آپ دیکھا کریں ٭ انگلیاں پھر کسی پر اٹھایا کریں

اور حفیظ کا یہ شعر — حفیظ اب قومی مجلس بنی ہے ٭ کہ مسجد میں بتوں کے ہوں ٹھکانے

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

خاکسار ...... حسن ...

برادر مکرم قد طلیط صاحب، ایڈیٹر حیات نو

السلام علیکم

حیات نو علی گڑھ میں مختلف حضرات کے پاس آتا ہے، میں بھی گاہے گاہے مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ معیار پہلے سے کافی بہتر ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ بلکہ ماشاء اللہ۔

موضوعات میں خاص طور سے سیرت صحابہ اور انٹرویو قابل قدر ہیں۔ دوسرے مضامین بھی معلوماتی ہوتے ہیں۔ غالباً نظموں اور افسانوں کی گنجائش نہیں رہتی اس لئے وہ نظر نہیں آتے۔ جولائی ۸۶ء کے شمارہ میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا انٹرویو بہت خوب۔ وہ غور و فکر کا کافی سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ خاص طور سے ان حضرات کے لئے جو اسلامی انقلاب کے خواہاں ہیں مگر جمہوریت اور اس کے اداروں کو کسی حال میں فراموش نہیں کر سکتے بلکہ نہیں چاہتے۔ شاید اس دور میں یاد الٰہی کی طرح جمہوریت بھی ناگزیر ہو چکی ہے جسے فراموش کرنا عذاب خداوندی کو دعوت دینا ہے۔

اس جمہوری دور کے غرہ و خون ریز میں اللہ والوں کی متاع دین و دانش اس طرح گرفتار ہوتی جا رہی ہے کہ رہائی کا سامان نظر نہیں آتا۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اس کی زلف دراز میں پھنس کر اچھے اچھے سورماؤں کی انقلابیت بغیر ان دفعتاً کے ہی رخصت ہو جاتی ہے۔ مگر فی زمانہ اقامت کا مفہوم بھی کچھ بدل سا گیا ہے۔ اس کی بھی دوبارہ تفہیم ہونی چاہئے۔

سوچنے کے اپنے اپنے انداز ہوتے ہیں۔ کسی کے انداز فکر پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ غور کرنے کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے اپنا نصب العین سوچ سمجھ کر اقامت دین قرار دیا ہے وہ دین کے تقاضوں کو اہمیت دیں یا دوسری چیزوں کو۔ کچھ اس طور پر غور کرتے ہیں

کہ جمہوریت بھی دین کا تقاضا ہے۔ اگر جمہوریت ختم ہو گئی تو دین بھی ختم۔ گویا دین کا قلعہ جمہوریت کا شکم ہے اس کا پیٹ چاک ہوا تو دین کی انتڑیاں بھی نکل پڑیں گی۔ اسلامی اقدار سے زیادہ جمہوری اقدار عزیز ہوتی جا رہی ہے، اور اسلامی اقدار اجنبی ہوتی جا رہی ہیں۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایک مومن جس نے اقامت دین کو اپنا نصب العین بنایا ہے وہ پہلے یہ دیکھتا ہے کہ کون سی بات صحیح اور دین کے مطابق ہے اور کون سی غلط اور دین کے منافی ہے جب وہ یہ تمام حساب لگا کر اس بات کو جان لیتا ہے کہ فلاں چیز غلط اور منکر ہے تو اس کے مٹانے میں لگ جاتا ہے خواہ اس چکر میں اس کا کتنا ہی نقصان ہو اور فلاں چیز صحیح ہے تو اس کو فروغ دینے میں لگ جاتا ہے خواہ اس میں کتنے ہی نقصانات اٹھانا پڑے۔ اصل فائدہ اس کے نزدیک کتاب و سنت کی پیروی اور بڑا خسارہ ان کی عدم پیروی ہوتی ہے، دنیا کے مفادات نہیں۔ اب حد سے زیادہ اسباب و وسائل پر نگاہیں مرکوز ہوتی جا رہی ہیں۔

جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں اس میں مختلف جدید فکری بنیادوں نے انتشار اور ذہنی پراگندگی پھیلا دی ہے۔ کچھ ایسے مسائل جو مسائل نہیں مگر ان کا پروپیگنڈہ دینی و ملی اسٹیج سے اتنی زور سے کیا گیا کہ وہ گمبھیر اختیار کر گئے اور جو واقعی مسائل تھے وہ اتنے پیچھے چلے گئے کہ گھوم کر دیکھنے سے بھی نظر نہیں آتے۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ واقعی مسائل ہیں کیا؟

میں جناب محترم عبد الباری صاحب شرقی کے اس خیال کی بھرپور تائید کرتا ہوں کہ آپ اس موضوع پر کھل کر اظہار خیال کی دعوت دیں اس اضافہ کے ساتھ کہ اس میں تحریک اسلامی کے علاوہ بھی شامل ہوں۔

والسلام

احقر: ابو الحسن جاوید

(بقیہ اداریہ)

دستہ تھے۔ ان کی موت سے ایک خلا پیدا ہو گیا ہے جو پر ہوتا نظر نہیں آتا۔ تاہم خدا کی ذات سے ہم پر امید ہیں کہ وہ نعم البدل عطا فرمائے گا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

۱۹۶۲ / ۔ / ۱۳

ادارہ

جامعہ کے لیل و نہار

جامعہ اپنی منزل کی طرف برابر گامزن ہے۔ تمام اساتذہ، معلمات، طلبہ و طالبات پوری لگن سے تعلیم و تعلم، درس و تدریس میں منہمک ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں اپنے خون جگر کو جلاتے، راتوں کو جاگ جاگ کر قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے اور پوری تیاری کے ساتھ درجہ میں تشریف لے جاتے ہیں، اس طرح دونوں تعلیم و تعلم کے لئے بالکل آمادہ و تیار رہتے ہیں، اور ہر بات ذہن و دماغ میں محفوظ کر لیتے ہیں۔

جمعیۃ الطلبہ کا نیا انتخاب ہو گیا ہے۔ اور محمد ابرار ناظم، عبد الرزاق سکریٹری منتخب ہوئے ہیں۔ لائبریرین ریاض احمد اعظمی، مشتاق محمد جنرل مانیٹر مطبخ، ضیاء الدین گیاوی عربی خطابت، محمد عمر سہسراوی انگلش خطابت، محمد درویش اردو خطابت، عربی مجلہ اعجاز، غلام سرور گیاوی، اردو خطابت، اردو مجلہ عربی، خلاق احمد اعظمی صفائی، شبیر حیدر، خدمت خلق، لئیق احمد اعظمی رسائل، زبیر احمد باغبانی، محمد داؤد مشورہ، رضا کریم، حفظ تنظیم منتخب ہوئے ہیں۔

خانۂ خدا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لئے جہاں دنیا سے لاکھوں افراد جا رہے ہیں وہیں جامعۃ الفلاح کو بھی یہ سعادت ماسٹر محمد حنیف صاحب نغیر پور کے حصہ میں آئی ہے۔ آپ حج بیت اللہ کے لئے ۱۳ جولائی ۸۶ء کو تشریف لے جا رہے ہیں۔ ۱۲ جولائی ۸۶ء کو تمام اساتذہ نے ایک ٹی پارٹی ترتیب دیا اور ماسٹر صاحب کو نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ الوداع کہا۔ خدا موصوف کے حج کو قبول فرمائے اور بخیر و عافیت رکھے۔

جامعۃ الفلاح میں اس سال دو نئے اساتذہ کا تقرر ہوا ہے۔ ایک تابش مہدی صاحب ہیں اور دوسرے اشفاق ندوی صاحب۔ تابش مہدی صاحب بچوں کو تجوید سکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، خدا جامعہ کی کوششوں کو قبول فرمائے۔

جامعہ میں کینٹین کا باب مرتفع ہوتا جا رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب صرف چند روز کی بات ہے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو اس کے نشیب و فراز کو طے کرے گی، خدا ارباب حل و عقد کو صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں مدد فرمائیں۔ آمین